

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الادلة الواضحة الجلية في حكم العمليات الاستشهادية

خودکش حملوں سے متعلق
واضح دلائل

مصنف : ابو عمرو عبد الحکیم حسان رحمہ اللہ

ترجمہ: ابو عبد اللہ عبد الرحمن السلفی رحمہ اللہ

الادلة الواضحة الجلية في حكم العمليات الاستشهادية

القرن ٢٠ (٢٠٠٠)

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

<http://www.muwahideen.tk>

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين محمد وعلى آله وصحبه اجمعين. وبعد،

سوال خودکش حملوں کا کیا حکم ہے؟ اور جو شخص گرفتاری یا دشمنوں کی طرف سے معلومات حاصل کرنے کے لیے اغواء کیے جانے کی وجہ سے خودکشی کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور بعض مجاہدین جو طواغیت کے خلاف حملے کر رہے ہیں اور ان میں بے گناہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں تو ان حملوں کا کیا حکم ہے؟

جواب اللہ کی مدد اور نصرت کے ساتھ ان سوالوں کا مندرجہ ذیل جواب دے رہے ہیں: خودکش اور فدائی حملے اس وقت کیے جاتے ہیں جب دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہو تو ایک یا کئی افراد مل کر فدائی یا خودکش حملہ کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اس میں ان کی جان جائے گی ان کی موت یقینی ہے موجودہ دور میں ان حملوں کی نوعیت یہ ہے کہ آدمی کے جسم سے بم باندھ دیا جاتا ہے یا گاڑی میں یا کسی بیگ وغیرہ میں رکھ کر اور بیگ ہاتھ میں لے کر یا گاڑی یا جسم پر بم باندھے ہوئے دشمن کے مجمع یا کسی اہم سرکاری دفتر یا عمارت میں گھس کر خود کو اور دیگر لوگوں کو اڑا دیتا ہے۔ اس کے لیے وقت اور مکان کے صحیح انتخاب سے ہی دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا جاسکتا ہے موجودہ دور میں خودکش حملوں کی یہ صورت اور طریقہ ہے کچھ لوگ ان حملوں کو خودکشی قرار دیتے ہیں جو کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ خودکشی کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے خودکشی کرنے والا خود کو گھبراہٹ بے صبری اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر خود کو ہلاک کرتا ہے اس کا یا تو ایمان کمزور ہوتا ہے یا ہوتا ہی نہیں خودکشی کرنے والا خود کو بغیر کسی شرعی مقصد کے ہلاک کرتا ہے مثلاً غصے یا بیماری سے تنگ آ کر یا غیرت و عزت کی وجہ سے یا دیگر کسی ایسے مقصد کے لیے جو اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے نہیں ہوتا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم خیبر میں تھے ایک آدمی کے بارے میں آپ

ﷺ نے فرمایا کہ یہ جہنمیوں میں سے ہے حالانکہ وہ آدمی مسلمان ہونے کا دعوے دار تھا۔ جب جنگ کا وقت آیا تو وہ شخص بہت دلیری سے لڑتا رہا جب اسے شدید زخم آئے تو کچھ لوگ شک کرنے کے قریب تھے۔ آدمی کو جب زخموں سے تکلیف ہوئی تو اس نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور خود کو اس سے ہلاک کر لیا۔ مسلمانوں پر یہ بات شدید گزری انہوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ آپ کی بات سچ ثابت ہوئی اس آدمی نے خودکشی کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن جائے گا البتہ فاجر آدمی کے ذریعے بھی اس دین کی مدد کرتا ہے۔

(بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ ابن حبان۔ بیہقی۔ طبرانی۔ ابو عوانہ)

✽ ایک اور روایت میں ہے جب رات ہوئی تو وہ اپنے زخموں کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور اس نے خودکشی کر لی۔ (بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ ابن حبان۔ ابو عوانہ)

✽ جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے والے لوگوں میں ایک آدمی تھا اسے زخم لگا وہ گھبرا یا اور چھری لے کر اپنا ہاتھ (رگیں) کاٹ دیا جس کی وجہ سے خون بہہ گیا اور وہ مر گیا اللہ نے فرمایا میرے بندے نے جلدی کی (میرے فیصلے سے پہلے فیصلہ کر لیا) میں نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ (بخاری۔ ابن حبان۔ بیہقی۔ ابو عوانہ۔ طبرانی)

یہ خودکشی کرنے والا زخم کی وجہ سے گھبرا گیا تکلیف برداشت نہ کر سکا صبر نہ کر سکا اس نے جلدی کی اور خود کو ہلاک کر لیا تاکہ دنیاوی تکلیف سے نجات حاصل کر لے لہذا اس کی سزا یہی ہے کہ اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی۔

✽ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جو آدمی خود کو گلا گھونٹ کر ہلاک کرے گا جہنم میں اس کا گلا گھونٹا جائے گا۔ جس نے خود کو کسی تلوار یا خنجر وغیرہ سے ہلاک کیا جہنم میں وہی سزا اس کو دی جائے گی۔

اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ خودکشی کی حرمت پر علماء کا اتفاق ہے خودکشی کرنے والا

گناہ کبیرہ کا مرتکب اور ہمیشہ کے لیے جہنم کا مستحق ہے اگر وہ خودکشی کو حلال سمجھتا ہو تو۔ اور اگر حلال نہیں سمجھتا ہو تو پھر لمبی مدت تک جہنم میں رہے گا مگر ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا. (النساء: ۲۹-۳۰)

اپنی جانوں کو قتل مت کرو واللہ تم پر مہربان ہے اور جس نے یہ کیا ظلم و زیادتی کی بنیاد پر تو عفریقہ ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ کام اللہ پر آسان ہے۔

قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مفسرین کا اجماع ہے کہ اس آیت میں لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور پھر اس آیت کے الفاظ اس بات کو بھی شامل ہیں کہ ان سے خودکشی کی حرمت ثابت ہو۔ اور اس مقصد کے لیے قتل کہ دنیا کا لالچ ہو یا مال کی طلب میں خود کو ایسے کام پر آمادہ کرے جس میں جان کا خطرہ ہو اور یہ اس بات پر بھی محمول کی جاسکتی ہے کہ اپنی جانوں کو مت قتل کرو تکلیف یا غصے کی وجہ سے اس آیت سے ان تمام صورتوں کی ممانعت ثابت ہوتی ہے (قرطبی: ۱۵۶/۵-۱۵۷)۔ بلکہ شرع نے تو ہمیں اس کام سے بھی منع کیا ہے جو اس (خودکشی) سے کم درجے کا ہے یعنی تکلیف کی وجہ سے موت کی آرزو کرنے سے بھی منع کیا ہے جب تکلیف کی بنا پر موت کی تمنا منع ہے تو اس کی وجہ سے خودکشی کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر کسی کو تکلیف پہنچے تو وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کرے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر اور خیر کی ہو اور اگر میرے لیے موت بہتر ہے تو مجھے موت دیدے۔

(بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ ابن حبان)

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حدیث میں لفظ ہے کہ پہنچنے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اس کو بعض علماء سلف نے دنیاوی تکلیف پر محمول کیا ہے اگر اخروی تکلیف محسوس کرتا ہو یعنی اس کو اپنے

دین کے فتنے کا اندیشہ ہو تو پھر یہ ممانعت میں داخل نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ یہ بات ابن حبان کی روایت سے لی گئی ہو جس میں لفظ ہے: لا يتمنين احدكم الموت لضر نزل به فى الدنيا (فتح الباری: ۱۰/۱۲۸)۔ کہ دنیا کے بارے میں جو تکلیف پہنچی ہو اس کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔

✽ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے: تم میں سے کوئی بھی آدمی چاہے نیکو کار ہو یا گناہ گار موت کی تمنا نہ کرے گویا کہ وہ ملامت طلب کرتا ہے۔

یہ نصوص اور جو بھی دیگر ان کی طرح کی نصوص ہیں جن میں قتل نفس کی حرمت یا تکلیف و عدم صبر و گھبراہٹ کی وجہ سے موت کی تمنا ہے یہ دراصل ایمان کی نفی یا نقص کی علامت ہے یہ دین کی مصلحت یا اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے نہیں ہے جبکہ شہادت کی نیت سے خودکش حملے صرف ایمانی قوت کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور اس یقین کی بنا پر کہ اللہ کے ہاں اس کے لیے اجر ہے اور اللہ و رسول ﷺ کی محبت اور دین کے مفاد و مصلحت کے لیے قربانی کے جذبے کے تحت ہیں خودکشی کی حرمت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس میں انسان قتل ہوتا ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں تقدیر پر ایمان نہ ہونے کی وجہ موجود ہے یا تقدیر سے ناراض ہونے یا دنیا کی طلب کے لیے۔ جبکہ ایک لڑکے کا ذکر ہے جس کا اصحاب الاخدود کے ضمن میں واقعہ کا ذکر ہے کہ لڑکے نے بادشاہ کو اپنے قتل کی ترکیب بتائی شریعت نے اس کی تعریف کی ہے اس لیے کہ یہ اس نے اللہ کی طرف رغبت اور اس کے دین کی مدد کے لیے کیا تھا جبکہ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے دین کی مدد کرتا ہے جبکہ نبی ﷺ نے جو موت کی تمنا کرنے سے منع کیا ہے تو وہ دنیاوی پریشانی کی وجہ سے تمنا کرنے سے منع کیا ہے جبکہ آپ ﷺ نے توفی سبیل اللہ شہید ہونے کی تین مرتبہ تمنا کی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

✽ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر قتل ہو جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر قتل ہو جاؤں (بخاری۔ احمد۔ نسائی۔ بیہقی۔ طبرانی۔ ابن ابی شیبہ)

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے لیے شہادت کی تمنا کرنا جائز ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کرنا

چاہتا ہو یہاں تک کہ وہ اس راہ میں اپنی جان دیدیتا ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۶)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کتاب الجہاد میں ذکر کیا ہے اور اس پر باب باندھا ہے ”باب تمنی الشهادة“ اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی یہی باب باندھا ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کتاب التمنی میں باب التمنی الشهادة کے تحت ذکر کیا ہے لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود فی سبیل اللہ قتل ہونے کی تمنا کرنا اور تکلیف کی بنا پر موت کی تمنا سے منع کرنا یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دونوں قسم کے قتل میں فرق ہے۔

❁ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایسا وقت آنے والا ہے کہ ایک شخص قبر کے پاس سے گزرے گا تو یہ تمنا کرے گا کہ کاش میں تیری جگہ ہوتا (یعنی مرچکا ہوتا)۔

(بخاری۔ مسلم۔ احمد)

یہاں موت کی تمنا دین کو نقصان پہنچنے کی وجہ سے ہے یہ گھبراہٹ یا پریشانی کی وجہ سے نہیں ہے نہ ہی یہ تقدیر سے ناراضگی کی بنا پر ہے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

❁ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک آدمی قبر پر سے گزرے تو یہ تمنا کرے گا کہ وہ اس قبر والے کی جگہ ہوتا۔

یہ دین کے ابتلاء کی وجہ سے ہوگا۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں قسم کی موت میں فرق ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کا گزشتہ قول اس پر دلیل ہے۔ مزید فرماتے ہیں: کہ ابن بطل کا قول ہے فتنوں کے ظہور کے وقت اہل قبور پر رشک کرنا اور موت کی تمنا کرنا یہ دین کے خاتمے کے خوف کی وجہ سے ہوتا ہے کہ باطل غالب آجائے گا اور معاصی و منکرات عام ہو جائیں گی ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ہر شخص کے حق میں نہیں ہے یہ اہل خیر کے ساتھ خاص ہے جبکہ دوسرے لوگ جو اپنی مصیبت یا اپنے گھریا دنیا کے کسی معاملے کی وجہ سے ہو اور دین کا معاملہ نہ ہو.....

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس میں

موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں پر یہ حالت اس وجہ سے آئے گی کہ ان کے دین کی بربادی یا کمزوری یا دین کے ضائع ہونے کا خوف ہوگا یہ کسی جسمانی ضرر کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ گویا ان کا خیال یہ ہے کہ موت کی تمنا کرنے سے ممانعت اس وقت ہے جس یہ جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہو اگر یہ دین کے نقصان پہنچنے کی وجہ سے ہو تو پھر ممانعت نہیں ہے۔ اس کی تائید میں سلف کی ایک جماعت کی رائے بھی ہے کہ دین کے معاملے کی بنا پر موت کی تمنا کی جاسکتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس میں کوئی کراہیت نہیں ہے بلکہ یہ تو سلف میں سے کئی افراد کر چکے ہیں جن میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، نصف الغفاری اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ شامل ہیں..... حاکم میں ابوسلمہ کے واسطے سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کی تو میں نے کہا کہ اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شفا دے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ! اس دعا کو قبول مت کر۔ پھر کہا۔ ابوسلمہ اگر میرے اختیار میں ہو تو میں مرجاؤں۔ اللہ کی قسم علماء پر ایسا وقت آنے والا ہے کہ انہیں سرخ سونے سے زیادہ موت پسندیدہ ہوگی۔ ان میں سے کوئی شخص جب قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا کہ کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔

✽ کتاب الفتن میں عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: عنقریب ایسا ہوگا کہ راستے میں لوگوں کے پاس سے جنازہ گزرے گا تو ان میں سے ایک آدمی دیکھ کر کہے گا کاش میں اس کی جگہ ہوتا میں نے کہا ابوذر یہ تو بہت بڑے معاملے کی وجہ سے ہوگا؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

(فتح الباری: ۷۵/۳-۷۶)

اس طرح کی تمنا موت کی قابل تعریف ہے اس لیے کہ تمنا برے حالات اور دین ضائع ہونے یا خراب ہونے کی وجہ سے لہذا یہ اس میں داخل نہیں ہے۔ کسی تکلیف کی وجہ سے خودکشی کرنے اور اللہ کی راہ میں اپنی جان کا صدقہ دینے میں بڑا فرق ہے جو فدائی حملہ آور خودکش حملہ کرتا ہے وہ اپنے رب کو خوش

کرتا ہے رب اس سے اور وہ رب سے راضی ہے جب اللہ کسی سے خوش و راضی ہو جائے تو پھر کسی اور کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ کوئی مجاہد جب اس طرح کی کاروائی کرتا ہے تو یہ صرف ایمانی قوت یقین اور اللہ کے دین کی مدد اور اس کے کلمہ کی سر بلندی کے لیے کرتا ہے لہذا دونوں قسموں کے قتل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان خودکش حملوں کا دشمن پر کیا اثر ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جو دیکھتے اور سنتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشمن پر اس کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے بلکہ یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ دشمن کے دل پر سب سے زیادہ جس چیز کا رعب پڑتا ہے وہ یہی خودکش حملے ہیں یہ حملے دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کا ذریعہ ہیں معنوی لحاظ سے دیکھا جائے تو دشمن کے لیے اس کے اثرات واضح ہیں ان کے مقاصد کو ختم کرنے اور ان کے دلوں میں رعب پیدا کرنے کے لیے اس کا بہت بڑا اثر ہے جبکہ مادی لحاظ سے دیکھیں تو ان میں دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔

ان خودکش حملوں کے صحیح ہونے کے متعدد دلائل ہیں جنہیں ہم افادہ عام کی غرض سے پیش کرتے ہیں۔

① دین کے غلبہ و مصلحت کی خاطر خود کو ہلاک کرنا جائز ہے اللہ کا فرمان ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ. (البقرہ: ۲۰۷)

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنا آپ فروخت کرتے ہیں اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی جان جہاد فی سبیل اللہ یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کھیلتا ہے یہاں تک کہ اللہ کی رضا کی تلاش میں قتل ہو جاتا ہے اس آیت کے سبب نزول میں مذکور ہے کہ عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا تو کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون ایک آدمی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور قتل ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس آدمی کے بارے میں ہے جو جنگ میں شامل ہوتا ہے۔ ہشام بن عامر نے قطن ظنیہ (کی جنگ) میں (فوج) کی ایک صف پر حملہ کیا ان سے جنگ کرتے مارا گیا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی: وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (البقرہ: ۲۰۷)۔ اسی طرح ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ کس نے کہا کہ یہ آیت غزوہ رجع کے شہداء کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ آیت جناب علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب ہجرت والی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے بستر پر چھوڑا تھا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ آیت ہر اس آدمی کے بارے میں ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے یا اللہ کی راہ میں شہید ہوتا ہے یا کسی منکر کے خاتمے کی کوشش میں قتل ہوتا ہے البتہ اس کو خودکشی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (طب——ری: ۲/۳۲۰، قرطبی: ۳/۲۰، ابن کثیر: ۱/۲۴۸)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان خرید و فروخت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھوں سے جو کچھ نکل گیا ہے اس کے بدلے میں انہیں اس سے زیادہ نفع بخش چیز دی جائے یا اس کے برابر ہو۔ اللہ نے اپنے بندوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں کہ یہ بندے اپنے مال اور جانیں اس کی راہ میں خرچ کر دیں گے اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے قربان کر دیں گے تو عوض میں اللہ انہیں جنت عطا کرے گا اور یہ بہت بڑا بدلہ و صلہ ہے جس کے برابر یا بلکہ قریب بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کو لوگوں کی اصطلاح کے مطابق خرید و فروخت کا نام دیدیا۔ بندے کی طرف سے جان و مال کی قربانی ہے اور اللہ کی طرف سے ثواب و بدلہ ہے اسے خرید و فروخت کہا گیا ہے۔ (قرطبی: ۸/۲۶۷)

اللہ کا فرمان ہے:

قُتِلَ أَصْحَبُ الْأُخْدُوْدِ، النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ، إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ، وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُوْدٌ، وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ. (البروج: ۴-۸)

خندقوں والے مارے گئے جو آگ تھی ایندھن والی۔ یہ لوگ اس پر بیٹھے ہوتے تھے۔ اور یہ لوگ مومنوں کے ساتھ جو (برتاؤ و سلوک) کر رہے تھے اس پر گواہ تھے انہوں نے ان (مومنین) سے صرف اس بات کا بدلہ لیا کہ وہ غالب و قابلِ تعریف اللہ پر ایمان لائے تھے۔

اخذ و زین میں کھودے گئے لمبے گھرے کو کہا جاتا ہے مفسرین نے اس بارے میں صہیب رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث رسول ﷺ ذکر کی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا اس کا ایک (در باری) جادوگر تھا جب وہ جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اب آپ مجھے کوئی لڑکا دیدیں تاکہ میں اسے جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکا بھیجا وہ جادو سیکھنے جاتا تھا اس کے راستے میں ایک راہب تھا وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی بات بھی سنتا تھا اور وہ باتیں اسے اچھی لگتی تھیں۔ جب جادوگر کے پاس جاتا تو وہ اسے مارتا تھا۔ لڑکے نے اس بات کی شکایت راہب سے کی تو راہب نے کہا کہ جب جادوگر سے ڈرنے لگے تو کہہ دینا کہ مجھے گھر سے نکلنے میں دیر ہوگئی تھی اور جب گھر جائے تو کہنا کہ مجھے جادوگر کے پاس دیر ہوگئی تھی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ ایک دن اس کا گزرا ایک بہت بڑے جانور کے پاس سے ہوا جس نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا۔ اس لڑکے نے کہا کہ آج میں معلوم کروں گا کہ جادوگر بہتر ہے یا راہب؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور دعا کی: اے اللہ اگر تجھے جادوگر سے زیادہ راہب کا عمل پسند ہو تو اس جانور کو ہلاک کر دے تاکہ لوگوں کو راستہ مل جائے یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا وہ جانور اس سے مر گیا لوگوں کا راستہ کھل گیا۔ اس نے آکر یہ بات راہب کو بتائی راہب نے کہا بیٹے آج تم مجھے سے بہتر ہو اور اب تم جس مقام پر ہو وہ میں دیکھ رہا ہوں تم پر آزمائشیں آئیں گی مگر میرا نام کسی کو مت بتانا یہ لڑکا برص اور کوڑھ اور دیگر امراض کا

علاج (بذریعہ دعا) کرنے لگا۔ بادشاہ کے ایک اندھے درباری نے جب سنا تو وہ بہت سے تحفے لاکر کہنے لگا کہ یہ سب کچھ لے لو اور مجھے شفا دے دو۔ لڑکے نے کہا شفا میں نہیں بلکہ اللہ دیتا ہے اگر تم ایمان لے آؤ تو میں اللہ سے دعا کروں گا تمہیں شفا دیدے گا۔ وہ ایمان لے آیا اللہ نے اسے شفا دیدی وہ (حسب معمول) بادشاہ کے دربار میں جا کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا تمہاری آنکھیں کس نے صحیح کر دی ہیں؟ اس نے کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا میرا اور آپ کا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے اسے پکڑا اور اس وقت تک سزائیں دیتا رہا جب تک اس نے لڑکے کا نام نہ لے دیا۔ لڑکے کو پکڑ کر لایا گیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا بیٹے تمہارے جادو میں اتنی تاثیر ہے کہ اب تم اس سے کوڑھ اور برص وغیرہ کا علاج کرتے ہو؟ اس نے کہا میں کسی کو شفاء نہیں دیتا بلکہ شفا اللہ دیتا ہے۔ بادشاہ نے بھی اسے سزاء دینی شروع کی یہاں تک کہ اس نے راہب کا نام بتا دیا راہب کو پکڑ کر لایا گیا اس کو کہا گیا کہ اپنے دین سے رجوع کر لو۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ آری منگوائی گئی اور راہب کے سر پر رکھ کر اس کے جسم کو دو ٹکڑوں میں چیر دیا گیا۔ پھر بادشاہ کے درباری کو بلایا گیا اسے بھی دین ترک کرنے کا کہا گیا مگر اس نے بھی انکار کر دیا اس کو بھی آری سے دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ پھر لڑکے کو بلایا گیا اسے بھی دین چھوڑنے کا کہا گیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس کو چند افراد کے حوالے کر کے انہیں حکم دیا کہ اسے فلاں پہاڑی پر لے جا کر اس کو دین چھوڑنے کا کہو اگر مان جائے تو سہی ورنہ پہاڑ سے نیچے گرا دو۔ وہ اسے پہاڑ پر لے گئے۔ لڑکے نے دعا کی اے اللہ ان سے مجھے تو بچالے جس طرح تو چاہے۔ پہاڑ لرزنے لگا اور وہ سب گر گئے۔ یہ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس آیا بادشاہ نے پوچھا تیرے ساتھ جانے والوں نے کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے اللہ نے ان سے بچالیا۔ بادشاہ نے اسے ایک اور گروہ کے حوالے کر کے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر دریا کے بیچ میں لے جاؤ اور اسے کہو کہ دین کو چھوڑ دے اگر ایسا نہ کرے تو اسے دریا میں پھینک دو وہ لوگ اسے دریا میں لے گئے وہاں اس نے دعا کی اے اللہ تو مجھے ان سے بچالے جس طرح تو چاہے۔ کشتی ٹوٹ گئی وہ سب لوگ غرق ہو گئے اور پھر یہ

بادشاہ کے پاس آیا بادشاہ نے پوچھا وہ لوگ کہاں ہیں اس نے کہا اللہ نے مجھے ان سے بچالیا۔ لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ تم مجھے اس وقت تک نہیں مار سکتے جب تک میرے بتائے ہوئے طریقے پر عمل نہ کر لو۔ بادشاہ نے پوچھا وہ طریقہ کیا ہے؟ لڑکے نے کہا سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو پھر مجھے کھجور کے تنے پر چڑھا دو (لٹکا دو) پھر میرے ترکش میں سے ایک تیر لے کر کمان میں رکھو اور کہو بسم اللہ رب ہذا الغلام یہ کہہ کر تیر چلا دو۔ اگر تم نے اس طرح کیا تو میں مارا جاؤں گا بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا اس نے تیر لگنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھا اور مر گیا۔ سب لوگوں نے کہا ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔ بادشاہ کو کہا گیا کہ جس چیز کا تجھے ڈر تھا وہ تو ہو گیا سب لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر گلی کے کنڈر پر خندق کھودی جائے اس میں آگ جلا دی جائے اور جو بھی اس دین کو نہ چھوڑے اسے آگ میں ڈال دیا جائے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت کو لایا گیا جس کی گود میں بچہ تھا وہ آگ میں کودنے سے ہچکچانے لگی تو اس بچے نے کہا امی صبر کریں آپ حق پر ہیں۔ (مسلم کتاب الزہد والرفاق۔ احمد۔ ابن حبان۔ بیہقی۔ بزار۔ صہیب رحمہ اللہ سے روایت ہے)

یہ دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا وہ قابل قدر و صاحب فضیلت ہے اس کا یہ عمل بہترین اعمال میں سے شمار ہوگا جیسا کہ اس مومن لڑکے نے اللہ کے دین کی راہ میں اپنی جان دیدی اس امید پر کہ اس کی قوم کو ہدایت نصیب ہو جائے۔ حالانکہ اللہ نے اس کو بار بار محفوظ رکھا اس کے بعد اس نے بادشاہ کو وہ طریقہ بتلادیا جس سے اس کی موت واقع ہو سکتی تھی اور اس کے قتل سے مقصود قوم کی ہدایت کا سبب بننا تھا۔ اس طرح وہ یقینی طور پر اپنے قتل میں شریک تھا اگرچہ اس نے اپنے ہاتھ سے خود کو ہلاک نہیں کیا تھا لیکن اس کی رائے ہی اس کے قتل کا واحد ذریعہ تھی اگر کوئی شخص بیماری سے تنگ آ کر کسی کو کہے کہ مجھے قتل کر دو تو یہ بھی خودکشی میں شمار ہوگا ایسے میں اپنے ہاتھ سے قتل کرنے یا نہ کرنے کی اہمیت نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ اس نے خود کسی سے مطالبہ و درخواست کی تھی اسے قتل کیا جائے جمہور علماء کے نزدیک قتل کا سبب بننے والے سے

بھی قاتل کی طرح قصاص لیا جائے گا (مزید تفصیل آگے آئے گی) یہی صورت حال یہاں بھی ہے۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس لڑکے کی تعریف کی اس کے عمل کو سراہا تو یہ دونوں قسم کے قتل میں فرق کی دلیل ہے کہ وہ لڑکا جو اپنے قتل کا سبب بنا اس کی مدح و ستائش کی گئی کہ یہ دین کے غلبہ اور قوم کی ہدایت کے لیے تھا اور اس آدمی کی مذمت کی گئی جو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اور مصیبت سے تنگ آ کر خودکشی کرتا ہے۔ یہ واضح دلیل ہے اس بات کی کہ خودکش حملے جائز ہیں۔ اسی لیے ان آیات کی تفسیر میں امام قرطبی لکھتے ہیں: ہمارے علماء نے کہا ہے اللہ نے اس آیت میں مومنوں کو ان لوگوں کی تکالیف سے آگاہ کیا ہے جنہیں توحید کی وجہ سے تکالیف کا سامنا رہا ہے تاکہ مومنین ان تکالیف سے مانوس ہوں۔ نبی ﷺ نے اس لڑکے کا واقعہ اس لیے ذکر کیا کہ مومنوں کو جن تکالیف و مصائب کا سامنا ہے ان پر صبر کریں اور اس لڑکے کے صبر و استقامت اور حق پر ثابت قدمی اور حق کے لیے جان کی قربانی کو سامنے رکھیں یہ بھی انہیں معلوم ہو جائے کہ اس طرح کرنے سے دیگر لوگ دین میں داخل ہو گئے حالانکہ وہ کم عمر لڑکا تھا (اس کے باوجود اس نے اتنی بڑی قربانی دی) اسی طرح راہب نے بھی حق پر صبر کیا یہاں تک کہ اسے آری سے چیر دیا گیا دیگر لوگ جو ایمان لائے تھے انہوں نے بھی اس صبر کیا حق پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ آگ میں ڈال دیئے گئے مگر اپنے دین سے نہیں پھرے۔

ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک یہ منسوخ نہیں ہے۔ جو آدمی مضبوط نفس کا مالک ہو اور اس طرح کی ایذا پر صبر کر سکتا ہو اسے صبر کرنا بہتر ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

يُسْنَىٰ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَ أْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَ أَنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ
إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ . (لقمان: ۱۷)

(لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا) اے بیٹے نماز قائم کر اور معروف کا حکم کر منکر سے منع کر اور جو مصیبت تجھ پر آئے اس پر صبر کر یہ پر عزم کاموں میں سے ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ (اس حدیث کو متعدد طرق سے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے صحیح روایت ہے۔ احمد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

ابن سنجر (محمد بن سنجر) نے امیمہ رضی اللہ عنہا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی) سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کروا رہی تھی کہ آپ کے پاس ایک آدمی نے آکر کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک مت کر اگرچہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے ①۔

①: پوری حدیث اس طرح ہے امیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کروا رہی تھی کہ ایک آدمی داخل ہوا اس نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک مت کرنا اگرچہ تیرے نکلے کر دیئے جائیں اور تجھے آگ میں جلا دیا جائے اور اپنے والدین کی نافرمانی مت کر۔ اگر وہ تجھے حکم دیں کہ اپنے مال اور بیوی کو چھوڑ دے تو چھوڑ دینا۔ کبھی شراب مت پینا کہ یہ ہر برائی کی چابی ہے کبھی نماز جان بوجھ کر مت چھوڑنا جس نے ایسا کیا اس سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ختم ہو گیا اور میدان جنگ سے مت بھاگنا جس نے ایسا کیا اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور اپنی زمین کی حدود میں (کسی اور کی زمین شامل کر کے) اضافہ مت کرنا جس نے ایسا کیا قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق بوجھ اپنی گردن پر لائے گا۔ اور اپنے گھروالوں پر اچھا خرچ کیا کرو اور اپنی عصا ان سے مت اٹھانا۔ اور اللہ کے لیے ان کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کر (طبرانی)۔ اس میں یزید بن سنان الرہاوی ہے جسے امام بخاری وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے جبکہ اکثریت اسے ضعف پر متفق ہے جبکہ سند کے بقیرہ جال صحیح ہیں۔ اس کو انہی الفاظ سے عبد بن حمید نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ابن السکن کہتے ہیں: یہ مرسل ہے اس لیے کہ کھول نے امین کا دو نہیں دیکھا (ملاقات نہیں)۔ بخاری نے اسے ادب المفرد میں روایت کیا ہے شہر بن حوشب کے توسط سے ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے وہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نو باتوں کی وصیت کی۔ اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا اگرچہ تجھے نکلے نکلے کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ جان بوجھ کر فرض نماز مت چھوڑنا جس نے ایسا کیا اس سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ختم ہوا۔ اور کبھی شراب مت پینا۔ یہ ہر برائی کی چابی ہے اور والدین کی نافرمانی مت کر اگر وہ تجھے حکم دیں کہ اپنی دنیا (دولت و گھر سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ۔ اور حکمرانوں سے تنازعہ و جھگڑا مت کرو۔ اور میدان جنگ سے مت بھاگنا اگرچہ تمہارے سارے ساتھی مارے جائیں اور اپنی استطاعت کے مطابق اپنے کفن پر خرچ کرو اور ان پر لالچی مت اٹھاؤ اور اللہ کے بارے میں ڈراؤ۔ یہ روایت اپنے تمام طرق کی بنا پر حسن بنے کے لائق ہے اسے طبرانی اور محمد بن نصر المروزی نے بھی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: مجھے میرے خلیل (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی سات خصلتوں کی فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک مت بناؤ اگرچہ تم نکلے نکلے کر دیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ یا سولی پر چڑھا دیئے جاؤ۔ جان بوجھ کر نماز مت چھوڑو جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی تو وہ ملت سے خارج ہو گیا۔ معصیت کا ارتکاب مت کرو کہ یہ اللہ کے غضب کا سبب ہے۔ شراب مت پیو یہ تمام خرابیوں کی سب

ہمارے علماء کہتے ہیں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آزمائشیں آئیں قتل کی سولی اور سخت سزاؤں کی مگر انہوں نے کسی چیز کی پرواہ نہ کی مثال کے لیے عاصم اور خبیب رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قصہ ہی کافی ہے اور جنگوں میں انہیں قتل، قید، جلائے جانے وغیرہ کی سزائیں ملیں۔ سورۃ النمل میں گزر چکا ہے کہ یہ ان لوگوں کی طرف سے اجماع ہے جو اس بارے میں قوی ہیں (قرطبی: ۱۹)۔ بادشاہ کی طرف سے لڑکے کو قتل کرنا ظلم و زیادتی کے طور پر نہیں تھا یہ تو ممکن ہی نہیں ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ کے بیان کردہ اجماع سے ثابت ہوگا اور یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا واقعہ بھی نہیں جیسا کہ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ کی تفسیر میں آئے گا۔ اور اس بارے میں جو عمر اور ایوب انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ بلکہ اس قتل کا مطلب دین کے اظہار کی مصلحت تھی اسی لیے قابل تعریف و مدح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس واقعہ کے بارے میں فرماتے ہیں: اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑکے نے اپنے قتل کا حکم دین کے اظہار و غلبہ کی مصلحت کی بنا پر کیا تھا اسی لیے ائمہ اربعہ نے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ کوئی مسلمان کفار کی صفوں میں گھس جائے اگرچہ اس کا غالب ظن یہ ہو کہ کفار اسے قتل کر دیں گے اگر اس کے اس عمل میں مسلمانوں کے لیے فائدہ ہو۔ جب ایک آدمی ایسا کام کرتا ہے جس کے بارے میں اس کو یقین ہے وہ اس کی وجہ سے قتل ہو جائے گا اور یہ جہاد کی مصلحت کے لیے (جبکہ اپنے آپ کو قتل کرنا تو دوسروں کو قتل کرنے سے بڑا کام ہے) تو یہ کام اس کو دین کی مصلحت کے لیے دوسروں کے قتل پر بھی

صہ بنیاد ہے۔ منذری اسی حدیث کی دونوں سندوں کے بارے میں کہتے ہیں: لا بأس باسنادہما۔ سند میں سلمہ بن شریح ہے اس کے بارے میں ذہبی کہتے ہیں لا یعرف البتہ سند کے بقیر جال صحیح ہیں۔ ابوالرداء رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کی وصیت کی۔ اللہ کے ساتھ شریک مت کر اگرچہ تجھے کلڑے کلڑے کر دیا جائے یا جلاد یا جائے اور جان بوجھ کر نماز مت چھوڑ جس نے نماز ترک کر دی اس سے اللہ و رسول ﷺ کا ذمہ ختم ہو گیا شراب مت پیو یہ ہر برائی کی کنجی ہے اپنے والدین کی فرمانبرداری کرا اگر وہ تجھے گھر سے نکل جانے کا حکم کریں تو نکل جاؤ۔ اور حکمرانوں سے ان کے معاملات میں تنازع مت کرو۔ میدان جنگ سے مت بھاگو اپنے ساتھیوں کا خیال رکھو (مہمان نوازی کرو) اور اپنی استطاعت سے اپنے کنبے پر خرچ کرو۔ ان سے عصامت بٹاؤ انہیں اللہ کے بارے میں ڈراؤ۔ پیشی کہتے ہیں ابن ماجہ نے اس میں سے یہ جملہ روایت کیا ہے شراب مت پیو یہ ہر برائی کی جڑ ہے۔ طبرانی اس میں شہر بن حوشب ہے اس کی حدیث حسن ہے اور بقیر جال ثقہ ہیں)

آبادہ کرے گا اس لیے کہ جب اس کے بغیر یہ مصلحت حاصل نہ ہوگی اور دین و دنیا کو خراب کرنے والے دشمن کو اس کے بغیر کسی اور طریق سے ہٹایا نہ جاسکتا ہو تو یہ کام کرنا بہتر ہوگا۔ (مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۵۴۰)۔ شیخ الاسلام نے لڑکے کے اس واقعہ سے جو استدلال کیا ہے کہ اگر کسی نے مصلحت جہاد کی خاطر ایسا کام کیا کہ جس میں اس کو اپنے قتل کا یقین تھا تو ایسا کام کرنے میں کوئی حرج نہیں تو اسی استدلال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خودکشی کے بارے میں جو وعید ہے اس کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ لڑکے کا یہ واقعہ ہم سے پہلی شریعت کا ہے۔ شیخ الاسلام وغیرہ نے مسئلہ کے لیے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے یہ سابقہ شریعت کے ان واقعات میں سے ہے جس کے صحیح ہونے کی تائید ہماری شریعت سے ہوئی ہے ❶۔

❶ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے اسراء کرائی گئی میرے پاس ایک پاکیزہ خوشبو آئی۔ میں نے پوچھا جبریل یہ خوشبو کیسے ہے؟ اس نے کہا یہ فرعون کی بیٹی کی کنگھی کرنے والی عورت اور اس کے بچوں کی ہے۔ میں نے کہا: اس کا کیا قصہ ہے؟ جبریل نے کہا: ایک مرتبہ وہ فرعون کی بیٹی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس نے کہا بسم اللہ۔ فرعون کی بیٹی نے کہا میرا باپ؟ اس عورت نے کہا نہیں بلکہ میرا اور تیرے باپ کا رب۔ فرعون کی بیٹی نے کہا یہ بات میں اپنے باپ کو بتا دوں؟ اس نے کہا بتادیں۔ اس نے بتا دیا۔ فرعون نے اس عورت کو بلا کر پوچھا کہ کیا میرے علاوہ بھی تمہارا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا ہاں تیرا اور میرا رب اللہ ہے۔ فرعون

❶: ہم سے پہلی شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ نے سابقہ امتوں کے لیے نازل کیے تھے علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ سابقہ امتوں کی شریعت ہمارے لیے شریعت ہوگی۔ بشرطیکہ ہماری شریعت اسے واجب کر دے اور صحیح قرار دے اس بارے میں بھی علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر سابقہ شریعت کے کسی مسئلے کی مخالفت ہماری شریعت میں آگئی تو وہ سابقہ شریعت کا مسئلہ ہمارے لیے نہیں ہوگا۔ البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ سابقہ شریعت کے کسی مسئلے کی ہماری شریعت میں تائید ہونے تکذیب اس میں راجح بات یہ ہے کہ جب تک ہماری شرع میں کسی سابقہ مسئلے کو غیر معتبر قرار نہ دیا جائے تو وہ ہمارے لیے بھی شریعت ہے۔ اس لیے کہ اس پر سکوت اس کی تائید ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ❶: المستصفیٰ للغرض ص ۱۳۲ ابجد۔ ❷: الاحکام اللامدی

نے تانبے کی ایک بہت بڑی دیگ آگ پر رکھنے کا حکم دیا۔ جب وہ گرم ہوگئی تو حکم دیا کہ اس عورت کو اس کے بچوں سمیت اس میں ڈال دو۔ اس نے کہا میری ایک درخواست ہے۔ فرعون نے کہا وہ کیا؟ عورت نے کہا میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کروادیں۔ فرعون نے کہا یہ ہم پر تمہارا حق ہے پھر حکم دیا اس کے بچوں کو ایک ایک کر کے دیگ میں ڈال دیا گیا جب سب ختم ہو گئے ایک دودھ پیتا بچہ رہ گیا جب اسے ڈالنے لگے تو عورت اس بچہ کی وجہ سے پس و پیش کرنے لگی۔ اس بچے نے کہا امی کو دجائیں دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کمتر ہے۔ وہ عورت کو دگئی ❶ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے بچہ سے بلوایا تا کہ وہ اپنی ماں کو آگ میں کود جانے کا حکم کرے۔ یہ بھی خندق والی عورت کے قصے کی طرح کا قصہ ہے۔ اگر دین کے لیے اپنے آپ کو قتل کرنے میں کسی قسم کی حرمت ہوتی تو شارع ایسا کرنے کی تعریف کبھی نہ کرتے۔ اور بچے سے بلوانا اس فعل کی فضیلت کو واضح کرنے کے لیے دلیل ہے۔

❷ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دس افراد پر مشتمل ایک گروہ (جہاد کے لیے) بھیجا ان پر عاصم بن ثابت انصاری کو امیر بنایا جب وہ مکہ اور عسفان کے درمیان ہداۃ کے مقام پر پہنچے تو ہذیل قبیلہ کی ایک شاخ بنو لحيان کو ان کی آمد کی خبر ہوئی انہوں نے دو سو تیر اندازان کے تعاقب میں روانہ کیے انہوں نے جب قدموں کے نشانوں کا تعاقب کیا تو انہیں کھجوروں اور دیگر کھانے کی اشیاء کی باقیات ملیں انہوں نے کہا یہ تو یثرب کی کھجوریں ہیں انہوں نے پھر تعاقب کیا جب عاصم نے انہیں دیکھا تو سب نے اونچی جگہ میں پناہ لی ان لوگوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے کہا نیچے اتر آؤ ہمارا وعدہ ہے کہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ عاصم رضی اللہ عنہ جو کہ امیر تھا اس نے کہا اللہ کی قسم میں تو کسی کافر کے وعدے پر نہیں اتروں گا اے اللہ اپنے نبی کو ہماری خبر دیدے۔ ان لوگوں نے تیر مار کر عاصم

❶: احمد۔ س کے رجال ثقہ ہیں سوائے ابو عمرو والضری کے ابن معین نے اسے پسند نہیں کیا ہے۔ ذہبی نے اس کے بارے میں کہا ہے صدق حافظ من کبار علماء المتقین۔ ابو حاتم الرازی کہتے ہیں یہ سچا راوی ہے ابن حبان نے بھی اسے ثقہ کہا ہے (میمنہ)۔

ﷺ کو قتل کر دیا۔ ان میں سے تین آدمی کافروں کے عہد و پیمان کی وجہ سے اتر آئے جن میں خبیب انصاری رضی اللہ عنہ، ابن دشنہ اور ایک اور آدمی تھا رضی اللہ عنہ۔ جب انہوں نے ان پر قابو پا لیا تو ان کی رسیاں لے کر انہیں باندھ دیا۔ تیسرے آدمی نے کہا یہ پہلی وعدہ خلافی ہے میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا ان لوگوں کا ارادہ ہمیں قتل کرنے کا ہے۔ انہوں نے اس کو گھسیٹا اور مجبور کیا اپنے ساتھ چلنے پر مگر اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور خبیب و ابن دشنہ رضی اللہ عنہما کو لے گئے اور مکہ میں لیجا فروخت کر دیا۔ (بخاری۔ احمد۔ ابوداؤد۔ بیہقی)

غور کرنا چاہیے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کافروں کے وعدے پر اترنے سے انکار کر دیا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ مارے جائیں گے اسی طرح وہ آدمی جس نے ان کی پیروی کی اور ان کفار کے ساتھ نہیں گیا اسے معلوم تھا کہ یہ اسے قتل کر دیں گے۔ یہ بات یقین سے کی جاسکتی ہے کہ ان کا واقعہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اسی لیے بتایا کہ انہوں نے جو کچھ کیا صحیح کیا۔

ابوبکر بن عبد اللہ بن قیس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: میرے باپ نے کہا رسول ﷺ نے فرمایا: جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ ایک پراگندہ حال شخص کھڑا ہو گیا اس نے کہا ابو موسیٰ کیا تم نے رسول ﷺ کو یہی فرماتے سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں وہ آدمی اپنے ساتھیوں کے پاس گیا کہا میں تمہیں سلام کہتا ہوں پھر آ کر اپنی تلوار کی میان توڑ کر پھینک دی اور تلوار لے کر دشمن کی طرف گیا اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔ (مسلم۔ احمد۔ ابن حبان۔ بیہقی۔ ابویعلیٰ)

اس حدیث میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ یہ صحابی رضی اللہ عنہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ قتل ہو جائے گا اسی لیے اس نے ساتھیوں کو سلام کہا اور رخصت لی۔ اس کی تائید موجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی۔ اس سے اس بات کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسی جگہ میں اقدام کرنا بھی جائز ہے جہاں اپنے قتل ہونے کا علم ہو بشرطیکہ یہ اللہ کی راہ میں ہو اس کے دین کی خدمت کے لیے ہو۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ احد والے دن کچھ افراد میں اکیلے رہ گئے

جب کفار نے آپ ﷺ کو گھیر لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا انہیں ہم سے کون ہٹائے گا اس کے لیے جنت ہے یا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ ایک انصاری آگے بڑھ کر لڑتا رہا اور مارا گیا کفار نے پھر آپ ﷺ کو گھیر لیا آپ ﷺ نے پھر وہی بات دھرائی ایک اور انصاری آگے بڑھا اور لڑتا ہوا مارا گیا کفار نے پھر آپ ﷺ کو گھیر لیا آپ ﷺ نے پھر وہی بات دھرائی ایک اور انصاری آگے بڑھا اور لڑتا ہوا مارا گیا اسی طرح یہ ہوتا رہا یہاں تک کہ ساتوں انصاری مارے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : ہم نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ (مسلم۔ ابن حبان)

یہاں سات بہادروں میں سے ایک ایک دشمن کے مقابلے پر جاتا رہا رسول ﷺ کے دفاع کے لیے اور ہر ایک اپنے سے پہلے والے کا انجام بھی دیکھتا رہا کہ وہ قتل ہو گیا ہے نبی ﷺ نے سب کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جنت میں میرے ساتھ ہوں گے آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ کون ان لوگوں کو ہٹائے گا کہ وہ ہمارے ساتھ جنت میں ہوگا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ مارا جائے گا اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے آگے بڑھتے رہے اور جانیں دیتے رہے۔

✽ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں جب احد کے دن لوگوں کو شکست ہوئی اور نبی ﷺ کے ساتھ صرف ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے جو اپنی ڈھال سے رسول ﷺ کا دفاع کر رہے تھے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تیر انداز تھے اس دن انہوں نے اتنے تیر چلائے کہ تین کمائیں ٹوٹ گئیں جب قریب سے کوئی آدمی گزرتا تو تو نبی ﷺ فرماتے کہ اپنا تر کش ابو طلحہ کے لیے خالی کر دو نبی ﷺ جب (کفار) کی طرف جھانکنے کی کوشش کرتے تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ نہ جھانکیں ورنہ کوئی تیر آپ ﷺ کو لگ جائے گا میری گردن آپ ﷺ کے تحفظ کے لیے حاضر ہے (بخاری۔ مسلم۔ ابن حبان)۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ میری گردن آپ کی حفاظت کے لیے حاضر ہے اور نبی ﷺ کا اس کی تائید کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قائد کے لیے اپنی جان قربان کی جاسکتی ہے لہذا دین کے لیے تو جان قربان کرنا زیادہ بہتر اور بڑا کام ہے۔

جنگ یرموک میں جب جنگ طول پکڑ گئی عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے بہت سے مقامات پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگیں کی ہیں تو آج یہاں سے کیسے بھاگوں گا پھر انہوں نے آواز دی کہ موت پر کون بیعت کرے گا؟ حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور نے چار سو مسلمانوں اور گھڑ سواروں میں سے بیعت کی ان لوگوں نے خالد رضی اللہ عنہ کے خیموں کے آگے جنگ کی یہاں تک کہ سب زخمی ہو گئے اور مارے گئے سوائے ضرار بن ازور کے۔ کہتے ہیں خالد رضی اللہ عنہ کے پاس عکرمہ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا تو اس نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کا سراپنی ران پر رکھا اور عمرو بن عکرمہ کا اپنی ٹانگ پر رکھا اور ان کے زخموں سے خون صاف کرنے لگا ان کے حلق میں پانی ڈالتے رہے اور کہتے رہے کہ ہرگز نہیں۔ ابن الحسنہ کا خیال ہے کہ ہم شہید نہیں ہو سکتے؟ (ابن جریر طبری: ۲/۳۳۸)۔ اسی طرح یہ بھی مذکور ہے کہ عکرمہ ابن ابی جہل اس دن پیدل چلنے لگے تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا مت کرو اگر تم مارے گئے تو یہ مسلمانوں کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا خالد مجھے جانے دو آپ لوگ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع سے رہے مگر میں اور میرے باپ (ابو جہل) نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سختیاں کی مخالفت کی وہ چلتا رہا (لڑتا رہا) یہاں تک کی قتل ہو گیا۔ (ابن المبارک کتاب الجہاد - بھیقی: ۹..... ۴۴)

یہاں عکرمہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ سے موت پر بیعت لی اور جب عکرمہ پیدل چلنے لگے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے اس عمل کی تائید کی اس میں واضح دلیل ہے کہ ایسے مواقع پر اس طرح کا اقدام کرنا جائز ہے کہ جہاں یہ معلوم ہو کہ قتل ہونے کا یقین ہے بشرطیکہ یہ اللہ کی راہ میں ہو۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل میں اشتر زخی سے کھتم گھٹا ہوئے جب عبد اللہ سمجھ گئے کہ اشتر بچ نکلے گا تو اس نے کہا مجھے اور مالک کو قتل کر دو۔ شعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ اشتر کا نام مالک بھی ہے اگر عبد اللہ کہتے کہ مجھے اور اشتر کو قتل کر دو تو اشتر بچ کر نہیں جاسکتا تھا۔ اشتر عبد اللہ کے بازوؤں میں تڑپتا رہا یہاں تک کہ اس کی جان نکل گئی (ابن جریر: ۳/۴۷)۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا اپنے ساتھیوں سے یہ کہنا کہ مجھے اشتر کے ساتھ قتل کر دو اس بات کی دلیل ہے کہ دین کی مصلحت کے لیے خود کو قتل کرنا جائز ہے ابن

الزبیر رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ بھی فعل کے برابر ہے۔ یہ بھی اس واقعہ میں مذکور ہے کہ جب مسلمانوں کا ایرانیوں سے سامنا ہوا تو ہاتھیوں کو دیکھ کر مسلمانوں کے گھوڑے بدک گئے یہ واقعہ جسر کی بات ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے مٹی سے ہاتھی بنایا اور اپنے گھوڑے کو اس سے مانوس کر لیا جب اگلے دن جنگ شروع ہوئی تو اس کا گھوڑا ہاتھی سے نہیں بدکا تو اس نے سامنے آنے والے ہاتھی پر حملہ کر دیا کسی نے کہا یہ ہاتھی تمہیں مار دے گا اس نے کہا کوئی بات نہیں اگر میری موت سے مسلمانوں کو فتح ہوتی ہو تو۔ (النبلۃ للذہبی: ۴/۳۵، ابن ابی شیبہ)

اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں علقمہ اور دینار بن العیزار سے روایت کیا ہے کہ میں نے اشتر سے کہا کہ تم تو یوم الدار کو ناپسند کرتے تھے اب تم اپنی رائے سے کیسے پھر گئے؟ اس نے کہا میں یوم الدار (جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہوا) کو ناپسند کرتا تھا لیکن میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تاکہ اسے (عثمان رضی اللہ عنہ) کے گھر لیجاؤں اور عثمان رضی اللہ عنہ کو صودج میں بٹھا کر گھر سے باہر نکال لو مگر انہوں نے مجھے ایسا کرنے نہیں دیا۔ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ جس کا مشہور قول ہے کہ مجھے اور مالک کو قتل کر دینے کا کہنا نہیں اللہ کی قسم میں تلوار ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نہیں اٹھاؤں گا جب تک اس میں ذرا سی بھی روح ہے۔ یہ بات کہ مجھے اور مالک کو قتل کر دو عبدالرحمن بن عتاب بن اسید نے کی تھی جب میں اس سے لپٹ گیا تھا اور ہم دونوں اپنے گھوڑوں سے گر گئے تو اس نے آواز دی کہ مجھے اور مالک کو قتل کر دو لوگ قریب سے گزر رہے تھے لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ مالک سے کون مراد ہے اس نے اشتر نہیں کہا ورنہ میں مارا جاتا۔ پہلے بھی اس بہادر کے بارے میں گزر چکا ہے جس نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ مارا جائے گا پھر بھی آگے بڑھا مگر اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا حالانکہ انہیں بھی معلوم تھا کہ یہ مارا جائے گا مگر انہوں نے اسے نہیں روکا اس لیے کہ اس نے خود کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے پیش کیا تھا اور مسلمانوں کو فتح دلانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کا ایسے عمل کا ارتکاب کرنا کہ جس میں جان جانے کا خطرہ ہو جائز ہے بشرطیکہ یہ دین کے لیے ہو اللہ کی راہ میں ہو۔ یہی وہ

چیز ہے جسے خودکش حملہ آوراختیار کرتے ہیں اور اپنے سامنے انہی دلائل کو رکھتے ہیں۔ یہ پہلی وجہ ہے خودکش حملوں کے جواز کی اگرچہ ان کا ارتکاب کرنے والا جانتا ہے کہ وہ اس حملے میں مارا جائے گا۔

② علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جہاد میں مہلک امور میں داخل ہونا جائز ہے:

✽ انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین (باتیں یا خصلتیں) ہیں وہ جس میں پائی گئیں وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا۔

① اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سب سے زیادہ پسند ہوں۔

② کسی سے محبت رکھتا ہو تو صرف اللہ کے لیے۔

③ کفر میں واپس جانا اتنا پسند کرتا ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔ (بخاری۔ مسلم۔ نسائی۔ ترمذی۔ احمد)

اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے: من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر۔ (جس نے کفر کے بجائے مار قتل اور توہین کو اختیار کر لیا)۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کفر اور آگ میں داخل ہونا برابر قرار دیا گیا ہے اور قتل اور مار پیٹ اور توہین آگ میں جانے سے مومن کے لیے زیادہ آسان ہیں۔ کفر میں جانے سے سختی برداشت کرنا آسان ہے۔ ابن بطلان نے اسے ذکر کیا ہے..... (علماء نے) اجماع کیا ہے کہ جہاد کے دوران مہلک امور میں داخل ہونا جائز ہے۔ (فتح الباری: ۱۳/۳۳۰)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ غزوہ ذی قرد سے حاصل شدہ سبق کے ضمن میں کہتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہادت کا کتنا شوق تھا اور کتنی محبت تھی اس سے۔ اور اپنے آپ کو موت کی سختیوں میں ڈالنا اس بات پر ان کا اتفاق ہے کہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنا جہاد کے دوران جائز ہے۔ (شرح نووی علی مسلم: ۱۸۶/۱۲-۱۸۷) شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام کی اجازت کے بغیر غزوہ کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ غزوہ ضرورت کے تحت کیا جاتا ہے اور ضرورت کو امیر و امام ہی بہتر جانتا ہے البتہ حرام نہیں اس لیے کہ اس میں جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہی ہوتا ہے اور جہاد میں یہ کام جائز ہے۔ (المہذب: ۲/۲۲۹، ۲۳۷)

یہ دوسری وجہ (جو ہم نے بیان کر دی) یہ خودکش حملوں کے جواز پر بہتر دلیل ہے اس لیے کہ اس میں اپنے نفس کو ہلاک کرنے یا ہلاکت والے کام میں ڈالنے کا جواز ہے جبکہ یہ کام جہاد میں اور اللہ کی راہ میں ہو۔

③ جہاد میں ایک آدمی کا کئی آدمیوں پر حملہ کرنا جائز ہے اگرچہ جان جانے کا یقین یا غالب ظن ہو ابو بکر بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے اپنے باپ سے سنا (دشمن سے جنگ کے دوران) کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ ایک پرانگندہ حال شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا: ابو موسیٰ تم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس آدمی نے (الوداعی) سلام کیا اپنی تلوار کی میان توڑ کر پھینک دی پھر تلوار لے کر دشمن کی طرف لپکاڑا اور مارا گیا (مسلم - احمد)۔ اس حدیث سے استدلال گزر چکا ہے۔

④ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔ مشرک آگئے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی قسم کا کوئی قدم نہ اٹھائے میری اجازت کے بغیر مشرکین قریب آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جنت کی طرف کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں جتنی ہے عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی چوڑائی زمینوں آسمانوں جتنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: شاباش۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یہ کیوں کہا؟ اس نے کہا صرف اس امید پر کہ میں بھی اس میں جاؤں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس میں جانے والوں میں سے ہو۔ اس نے اپنی تھیلی سے کھجوریں نکالیں کھاتا رہا پھر کہا اگر میں یہ کھجوریں کھانے تک زندہ رہا تو یہ بہت طویل زندگی ہوگی۔ بقیہ کھجوریں پھینک کر لڑنے گیا اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔ (مسلم - احمد)

⑤ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک آدمی نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں مارا گیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جنت میں جاؤ گے۔ اس کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں وہ اس نے پھینک دیں اور لڑتا رہا یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ (بخاری - مسلم)

اس حدیث سے یہ دلیل ملتی ہے کہ نبی ﷺ نے بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ صف بنا کر لڑو۔ آپ ﷺ ان کے سینے نیزے کے ذریعے ترتیب دے رہے تھے تاکہ کوئی آگے نہ جائے۔ جب عمیر رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے (شہادت) کی فضیلت سنی تو صف سے نکل کر اکیلا ہی دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوا۔ رسول ﷺ نے اس پر اعتراض نہیں کیا باوجودیکہ اس کے اس فعل کا لازمی نتیجہ موت تھی۔ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں جواز ہے اس بات کا کہ کفار کی صفوں میں گھس کر لڑا جائے اور شہادت حاصل کی جائے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے اس میں کراہیت نہیں ہے۔ (شرح نووی علی مسلم ۴۶/۱۳)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے کہا اللہ کے رسول ﷺ مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں مشرکین (کی صف میں) گھس کر لڑوں اور مارا جاؤں تو جنت میں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ آدمی مشرکین کی صف میں گھس گیا س لڑتا رہا اور مارا گیا۔ (حاکم)

عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت ہے۔ جب بدر والے دن آمناسا منا ہوا تو عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ کے رسول ﷺ بندے کا کون سا عمل ہے جس پر اللہ ہنستا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جب وہ بندے کو دیکھتا ہے کہ اس نے قتال میں ہاتھ ڈال دیا ہے اور بغیر زرہ کے لڑ رہا ہے۔ اس نے اپنی زرہ اتار دی آگے بڑھا لڑتا رہا اور مارا گیا۔ (ابن اسحاق۔ طبری)

دونوں حدیث میں اس بات کے جواز کی دلیل ہے کہ دشمنوں کے جتھے پر حملہ کیا جاسکتا ہے اگرچہ حملہ آور کو معلوم ہو کہ وہ مارا جائے گا۔ یہ دونوں صحابی رسول ﷺ کی اجازت سے دشمن کی صف میں گھس گئے حالانکہ ان میں سے ایک بغیر زرہ کے تھا دونوں کو معلوم تھا کہ وہ مارے جائیں گے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میرے چچا انس بن نضر بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ اس نے کہا اللہ کے رسول ﷺ میں پہلی جنگ میں حاضر نہ ہو سکا کہ مشرکین سے قتال کرتا اگر اللہ نے مجھے مشرکین سے قتال کا موقع دیا تو میں اللہ کو دکھا دوں گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ جب احد کا دن

آیا اور مسلمان منتشر ہو گئے (شکست کی وجہ سے) تو انس بن نصر رضی اللہ عنہ نے کہا میں ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس عمل سے معذرت چاہتا ہوں اور ان مشرکین کے عمل سے بیزار ہوں پھر آگے بڑھے تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سامنا ہوا تو کہا اے سعد! اللہ کی قسم جنت کی خوشبو میں محسوس کر رہا ہوں احد میں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے جو کچھ کیا اس کی میں استطاعت نہیں رکھتا (کرنے یا بیان کرنے کی) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس پر نیزے، تلوار اور تیر کے اسی سے زیادہ زخم تھے اسے قتل کر کے ٹکڑے کر دیا گیا تھا اس کو صرف اس کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ یہ آیت اس جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (احزاب: ۲۳)

مومنوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا ان میں سے کچھ نے مقصد پورا کر لیا اور کچھ انتظار میں ہیں انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: انس بن نصر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں چند سبق ہیں۔ جہاد میں خود کو قربان کرنا۔ عہد وفا کرنے کی فضیلت اگرچہ نفس پر گراں ہو یہاں تک کہ ہلاکت میں پڑ جائے۔ اور جہاد میں شہادت طلب کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا شمار نہیں ہوتا۔ اس میں نصر بن انس رضی اللہ عنہ کی واضح فضیلت ہے کہ اس کا ایمان تقویٰ، پرہیزگاری اور قوت یقین کتنا تھا۔ (فتح الباری: ۶/۲۶)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم صلح حدیبیہ والے دنوں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ آئے۔ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام رباح نکلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے۔ میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر تھا میرا ارادہ تھا کہ اسے اونٹوں کے ساتھ رکھوں۔ جب اندھیرا ہوا تو عبدالرحمن بن عیینہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر حملہ کر دیا اس کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلنے لگے میں نے کہا رباح رضی اللہ عنہ اس گھوڑے پر بیٹھ جاؤ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے

دو کہ ان کے چرواہے پر حملہ ہوا ہے۔ میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور مدینہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ پکارا کہ حملہ ہوا ہے۔ پھر میں نے ان حملہ آوروں کا پیچھا کیا میرے پاس تلوار اور تیر تھے میں ان پر تیر برساتا رہا ان کا پیچھا کرتا رہا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور یہ کہتا رہا کہ اللہ نے رسول ﷺ کے پیچھے پیچھے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ میں نے پیچھے چھوڑ دیا ہے میں نے ان سے اونٹ چھڑا لیے پھر بھی ان پر تیر چلاتا رہا یہاں تک کہ تیس سے زیادہ تیر ان کو لگے تیس چادریں انہوں نے چھوڑ دیں وزن کم کرنے کے لیے میں چادر اکھٹی کرتا اس پر پھر رکھتا انہیں رسول ﷺ کے راستے میں جمع کیا۔ جب صبح ہوئی تو عیینہ بن بدر الغزالی صنیفہ مقام پر ان کی مدد کے لیے آیا میں پہاڑ پر چڑھ گیا میں اوپر تھا۔ عیینہ نے کہا یہ کیا ہے؟ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا ہمیں یہ ساری تکلیفیں اس سے پہنچی ہے۔ اب تک اس تکلیف میں مبتلا رہے ہمارے ہاتھوں میں جو کچھ تھا وہ اس نے لے لیا اور اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ عیینہ نے کہا اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس کے پیچھے کوئی آ رہا ہے تو یہ تمہیں چھوڑ دیتا۔ تم میں سے کچھ لوگ اس کے مقابلے کے لیے جاؤ۔ چار آدمی میرے مقابلے کے لیے اٹھے۔ جب وہ پہاڑی پر چڑھے تو میں نے آواز دی کہ تم مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا تم کون ہو؟ میں نے کہا میں ابن الاکوع ہوں اس اللہ کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی تم میں سے کوئی آدمی مجھے نہیں پکڑ سکتا اور اگر میں کسی کو پکڑنا چاہوں تو وہ مجھ سے چھوٹ نہیں سکتا ان میں سے ایک آدمی نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں اسی جگہ پر رہا یہاں تک کہ میں نے رسول ﷺ کے گھڑ سواروں کو آتے دیکھ لیا درختوں کے درمیان آ رہے تھے سب سے آگے اخزم اسدی رضی اللہ عنہ تھا اس کے بعد ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھا میں پہاڑ سے اتر کر اخزم رضی اللہ عنہ کے سامنے آ گیا اور کہا اخزم ان لوگوں سے محتاط رہو مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس وقت تک انتظار کرو جب تک رسول ﷺ اور ان کے ساتھی نہ آجائیں اخزم رضی اللہ عنہ نے کہا سلمہ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور جنت و جہنم کو حق جانتے ہو تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل مت ہو۔ میں نے اس کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی وہ اور عبدالرحمن بن عیینہ کی لڑائی شروع ہوئی ایک دوسرے کو نیزوں

سے مارتے رہے یہاں تک کہ اخرم کو نیزہ لگا اور وہ مارا گیا۔ عبدالرحمن اخرم کے گھوڑے پر بیٹھ گیا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس کا سامنا ہوا دونوں نے ایک دوسرے پر نیزے سے حملہ کیا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اخرم کے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ میں نے رسول ﷺ کے پاس آ کر کہا اللہ کے رسول ﷺ مجھے سو آدمی دیدیں میں رات کے اندھیرے میں ان پر حملہ کر کے ہر مخبر کے ماردوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس طرح کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا اللہ کی قسم ہاں آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک نظر آنے لگے۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ہمارا بہترین گھڑ سوار ابو قتادہ اور بہترین پیادہ سلمہ ہے۔ رسول ﷺ نے مجھے گھڑ سوار اور پیادہ دونوں کا حصہ دیا۔ (مسلم۔ احمد)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول ﷺ نے سلمہ رضی اللہ عنہ کے فعل کی تعریف کی اور اس کے عمل پر اعتراض نہیں کیا کہ اس نے اجازت کے بغیر اکیلے ہی اتنے لوگوں سے کیوں جنگ کی۔ اسی طرح اخرم رضی اللہ عنہ پر بھی اکیلے قوم سے لڑنے پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر غزوہ کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک آدمی کا کئی لوگوں پر حملہ جائز ہے۔ تیاری اور تعداد کی بہت زیادہ فرق کو مد نظر رکھے بغیر۔

ابن النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بہت واضح دلیل ہے اس بات پر کہ ایک آدمی کا دشمن کے بہت سے آدمیوں پر حملہ کرنا جائز ہے اگرچہ اس کا غالب ظن ہو کہ وہ مارا جائے گا بشرطیکہ وہ شہادت کی طلب میں مخلص ہو۔ جیسا کہ اخرم اسدی رضی اللہ عنہ نے کیا اور نبی ﷺ نے اسے معیوب قرار نہیں دیا۔ نہ ہی آپ ﷺ کو اس طرح کرنے سے منع کیا بلکہ حدیث میں دلیل ہے کہ اس طرح کرنا مستحب و افضل ہے نبی ﷺ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور سلمہ رضی اللہ عنہ کے عمل کی تعریف کی حالانکہ ان میں سے ہر ایک نے اکیلا ہی دشمن پر حملہ کیا تھا۔ اور مسلمانوں کے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ امام حملہ آور کو شفقت کی بنا پر منع کر سکتا ہے اور اس کی صداقت اور پختہ عزم اور شہادت کے لیے خالص نیت کو دیکھ کے

اجازت بھی دے سکتا ہے جیسا کہ سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اعتراض نہ کیا نہ منع کرنے پر نہ چھوڑنے پر۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کا نبی سے سو آدمی حملہ کے لیے مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی ورنہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یحجانے کی ضرورت نہ ہوتی میرے خیال میں اس مسئلہ کے لیے یہ سب سے زیادہ واضح دلیل ہے۔ (مشارع الاشواق: ۱/۵۳۹)

✽ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب اس آدمی پر تعجب کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے اس کے ساتھی شکست کھا جاتے ہیں تو یہ اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہے اور میرے پاس جو کچھ ہے اس کے شوق میں پلٹ آتا ہے اور جو میرے پاس ہے اس سے ڈرتے ہوئے یہاں تک کہ اپنا خون بہا دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

✽ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: پیامد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس کی ران پر سے کپڑا ہٹا ہوا تھا اور وہ (مردوں پر لگائی جانے والی) خوشبو لگا رہے تھے میں نے کہا چچا جان آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے آنے سے؟ اس نے کہا جیتے ابھی آیا۔ اور خوشبو لگاتے رہے پھر آ کر بیٹھ گئے پھر باتوں میں لوگوں کے بھاگنے کے بارے میں بات کی پھر کہا اس طرح ہمارے بارے میں (وضاحت کرو) تاکہ ہم (کفار) قوم سے مقابلہ کریں ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا نہیں کرتے تھے تم لوگوں نے اپنے ساتھیوں کو بری عادت ڈال دی ہے۔ (بخاری)

✽ ایک جماعت نے محمد بن ثابت بن قیس بن شماس سے روایت کیا ہے کہ جب پیامد والے دن مسلمان منتشر ہو گئے (بھاگے) تو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا نہیں کرتے تھے پھر اس نے اپنے لیے گھڑا کھودا اس میں کھڑا ہو گیا اس دن اس کے پاس مہاجرین کا جھنڈا تھا وہ لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

✽ ابواسحاق سے مروی ہے۔ مسلمان پیامد والے دن مشرکین کی طرف چل پڑے یہاں تک کہ وہ اللہ کے دشمن مسیلمہ کے باغ میں جانے پر مجبور ہوئے۔ براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مسلمانو مجھے

اس میں اٹھا کر ڈال دیا نہیں اٹھایا گیا یہاں تک کہ جب وہ دیوار پر چڑھ گئے تو اندر کود گئے اور ان سے لڑتے رہے یہاں تک کہ اس باغ پر مسلمانوں نے فتح حاصل کر لی۔ (طبری)

✽ مدرک بن عوف سے مروی ہے میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا میں نے کہا کہ میرے پڑوسی نے جنگ میں شرکت کی اور مارا گیا اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ اس نے تو دنیا کے بدلے میں آخرت خرید لی۔ (فتح الباری: ۸/۱۸۵)

ان تمام آثار اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مسلمان کا ایسا اقدام کرنا جائز ہے جس میں موت یقینی ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طرح کے فعل کی تائید کرنا ہر جہادی عمل کے جواز کی دلیل ہے اگرچہ اس میں موت یقینی ہو۔

✽ اسلم بن عمران سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم قسطنطنیہ میں تھے کہ روم سے بہت بڑا لشکر نکلا۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے اس لشکر پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ وہ صف میں گھس گیا پھر آگے بڑھتا رہا لوگوں نے کہا اس نے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو، تم اس آیت کی تفسیر کر رہے ہو حالانکہ یہ آیت ہم انصار کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب اللہ نے دین کو غلبہ عطا کر دیا اور اس کے ماننے والوں میں اضافہ ہوا تو ہم نے آپس میں چپکے سے کہا کہ ہمارے مال تباہ ہو گئے اگر ہم ان کی دیکھ بھال کرتے رہتے تو یہ ضائع نہ ہوتے تو اللہ نے یہ آیت نازل کر دی ہلاکت سے مراد وہ قیام تھا جو ہم اپنے اموال میں کرنا چاہتے تھے۔ (مسلم - نسائی)

✽ ابواسحاق سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے براء رضی اللہ عنہ سے کہا اگر ایک آدمی مشرکین پر حملہ کرتا ہے تو کیا وہ خود کو ہلاکت میں ڈالتا ہے؟ انہوں نے نہیں۔ اس لیے کہ اللہ نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور فرمایا: فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ (نساء: ۸۴)۔ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ (ﷺ) صرف اپنے نفس کے مکلف ہیں۔ وہ نفقہ میں خرچ کرنے میں (احمد - فتح الباری)۔

✽ معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ اللہ اپنے بندے کے کس عمل سے ہنستا ہے

؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بغیر زرہ کے دشمن کی فوج میں گھس جانا۔ اس نے زرہ پھینک دی اور لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (ابن ابی شیبہ)

ابن النحاس رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیرۃ ابن اسحاق میں مشہور ہے کہ یہ آدمی عوف بن عفراء معاذ بن عفراء کا بھائی تھا عوذ و معوذ بھائی تھا سب عفراء کے بیٹے تھے باپ کا نام حارث بن رفاعہ النجاری بدری تھا (یہ اور بعد میں آنے والی حدیث دونوں اس بات پر دلالت کرتی ہیں ان جہادی اعمال کی فضیلت ہے جن میں غالب ظن ہلاکت کا ہوا اور جہاد میں وہ امور جائز ہوتے ہیں تو دیگر حالات میں جائز نہیں ہوتے۔

✽ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا رب دو آدمیوں پر تعجب کرتا ہے ایک وہ آدمی جو اپنے آرام گاہ سے (بستر سے) اٹھتا ہے اپنی بیوی اور اس کی محبت کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنے لگتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو اپنے بستر سے اٹھ گیا اپنی بیوی کو اور نیند کو چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا اس چیز کے شوق میں جو میرے پاس ہے اور اس چیز کے ڈر سے میرے پاس ہے دوسرا وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے اور اس کے ساتھی شکست کھا جاتے ہیں وہ سوچتا ہے کہ واپس لوٹنے میں کیا اور شکست میں اس پر کیا آئے گا؟ واپس آتا ہے اور اپنا خون بہا دیتا ہے (جان دیتا ہے) اللہ فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو (جنگ کی طرف) پلٹ آیا اس چیز کی رغبت میں جو میرے پاس ہے اور اس چیز کے ڈر سے جو میرے پاس ہے یہاں تک کہ اس نے اپنا خون بہا دیا۔ (احمد۔ طبرانی)

ابن النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اس باب میں اور کوئی حدیث نہ ہوتی سوائے اس حدیث کے تو یہ بھی کافی تھی جس سے ہم دشمن کی فوج میں گھس جانے پر استدلال کر سکتے تھے۔

✽ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کی بہترین زندگی یہ ہے کہ آدمی نے اپنے گھوڑے کی لگام تھام رکھی ہے اس کی پیٹھ پر سوار ہے جیسا ہی کوئی حادثہ یا واقعہ کے بارے میں سنتا ہے اس کی دوڑ پڑتا ہے قتل یا موت کی تلاش میں ہے (مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ لوگوں

پر ایسا وقت آئے گا.....)

عبدالرحمن بن الاسود بن عبد یغوث سے روایت ہے کہتے ہیں ہم نے دمشق کا محاصرہ کیا اسد کا ایک آدمی جلدی چلا گیا تاکہ اکیلا دشمن پر حملہ کرے مسلمانوں نے اس بات کو معیوب جانا اور اس کی خبر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کر دی جو ایک دستے کے کمانڈر تھے عمرو رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو واپس بلا لیا اور اس سے کہا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يَقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفًّا كَانَتْهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (صف: ۴)۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بنا کر قتال کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ اور کہا: وَلَا تَلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۵)۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس آدمی نے کہا اے عمرو میں تمہیں اس اللہ کی یاد دلانا چاہتا ہوں جس نے تمہیں کفر کے سردار سے اسلام کا سپہ سالار بنایا کہ تم مجھے اس کام سے مت روکو جس کا عزم میں نے دل میں کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ چلتا رہوں یہاں تک کہ یہ ختم ہو جائے سامنے جبل ثلج کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ مسلسل عمرو سے بحث کرتا رہا یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے جانے دیا وہ دشمن کی طرف چلا گیا یہاں تک کہ رات ہو گئی اور وہ واپس آ گیا۔ لوگوں نے کہا اللہ کا شکر ہے تم واپس آ گئے اور جو کچھ تم نے چاہا تھا اللہ نے اس کے علاوہ کچھ اور دکھایا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم جو ارادہ میں نے کر لیا ہے میں اس سے پھر نہیں ہوں لیکن میں نے دیکھا کہ شام ہو گئی ہے اور مجھے اندیشہ تھا کہ تمہارے لوگ خطرے میں ہیں جب صبح ہوئی تو وہ پھر اکیلا دشمن کی طرف چلا اترتا رہا اور قتل ہو گیا۔ (ابن عساکر تاریخ دمشق)

ابن النخاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور اس آدمی کا واقعہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اور اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی طرح ہے۔

اسماعیل بن عیاش ابوبکر بن مریم سے وہ علاء بن سفیان الحضرمی سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: بسر بن ارطاة رضی اللہ عنہ روم کی جنگ میں شریک ہوئے جس دستے میں یہ تھے اسے بار بار نقصان اٹھانا پڑا (ان پر حملے ہوئے) انہوں نے گھات لگا کر چلنا شروع کیا مگر پھر بھی حملہ ہوا تو یہ بسر فوج کے

ایک سو آدمیوں کے پیچھے رہے یہ لوگ ایک دن روم کی ایک وادی میں جا رہے تھے کہ اچانک (انہوں نے دیکھا کہ) تقریباً تیس آدمی ہیں اور ایک طرف گر جا ہے جس میں گھوڑے بندھے ہوئے ہیں یہ ان لوگوں میں تھے جو ان کا تعاقب کر رہے تھے یہ اپنے گھوڑے سے اترے اسے باندھا اور گر جا میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا رومیوں کو اس حرکت پر تعجب ہوا جب ان لوگوں نے اپنے تیر سنبھال لیے اس نے ان میں سے تین کو گرا دیا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی تلاش شروع کر دی انہوں نے گر جا کے باہر اس کا گھوڑا پہچان لیا اور گر جے کے اندر لڑنے کی آوازیں سنیں جب گر جا کے پاس آئے تو دروازہ بند تھا انہوں نے اس کی چوکھٹ اکھاڑ دی اور اندر چلے گئے۔ بسر نے ایک ہاتھ سے اپنی (باہر نکلی ہوئی) آنتیں پکڑ رکھی تھیں اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی جب اس کے ساتھیوں نے گر جا پر قبضہ کر لیا تو بسر بے ہوش ہو کر گر گئے یہ (مسلمان) ان (دشمنوں) کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں قتل کیا کچھ کو قیدی بنالیا قیدیوں نے ان (مسلمانوں) سے پوچھا کہ یہ آدمی کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ بسر بن ارطاة ہے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم کسی عورت نے ایسا بیٹا نہیں جنا۔ پھر وہ (مسلمان) بسر کی آنتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اس کے پیٹ کے اندر کیا اپنی پکڑیوں سے اس کو باندھا اسے وہاں سے منتقل کیا اس کا پیٹ سی دیا وہ مرنے سے بچ گیا اور صحیح ہو گیا۔ (ابن عساکر)

یہ بسر رضی اللہ عنہ امت کے بہادر ترین لوگوں میں سے تھا یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں: بسر رضی اللہ عنہ شمسیر زن تھا اس کے ہاتھوں اللہ نے بہت فتوحات کروائی ہیں کچھ مزید آثار ہم نقل کر رہے ہیں جو ان سابقہ روایات کی تائید کریں گے۔ طروش اور قرطبی نے لکھا ہے کہ روم کا بادشاہ قسطنطین سے ایک لاکھ جنگجو کو لے کر نکلا ان کا کوئی سرا نظر نہیں آتا نہ ہی ان کو شمار کیا جاسکتا تھا دستے کے بعد دستہ فوجیوں کا ہجوم تھا قافلے ایک کے پیچھے ایک قافلہ انہوں نے قلعے فتح کرنے کے لیے اس طرح کے اسلحہ ایجاد کیے تھے کہ جنہیں بیان نہیں کیا جاسکتا انہوں نے دنیا کو تقسیم کر دیا تھا اور ہر ایک لاکھ کی آبادی کے لیے ایک علاقہ تھا عجم اور عراق کے لیے ایک بادشاہ (یا حکمران تھا) مضر و بصرہ کے علاقوں کے لیے ایک حکمران۔ مصر اور یورپ

کے لیے ایک۔ حجاز اور یمن کے لیے ایک۔ ہند اور چین کے لیے ایک حکمران۔ مسلمان ممالک بہت پریشان تھے بہت ڈرے ہوئے تھے کچھ مسلمان ان علاقوں سے بھاگ چکے تھے اور شہر و آبادیاں خالی کر چکے تھے۔ اربل ارسلان ترکی اس وقت عراق و عجم کا حکمران تھا اس نے اپنی حکومت کے سرکردہ لوگوں کو جمع کر کے کہا تم جانتے ہو کہ مسلمانوں کی کیا حالت ہے؟ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا ہم آپ کی رائے کے تابع ہیں البتہ ان لشکروں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ الب ارسلان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پھر تو کیا راستہ باقی رہ گیا ہے؟ موت کے علاوہ تو کوئی صورت باقی نہیں رہی اب اچھی موت تو مر جاؤ۔ سب نے کہا جب آپ نے اپنی جان پیش کر دی ہے تو ہماری جانیں آپ کے لیے حاضر ہیں۔ الب ارسلان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم ان کا مقابلہ اپنے پہلے ہی شہر میں کریں گے وہ بیس ہزار بہترین دلیر لڑنے والے لے کر نکلے جب کچھ فاصلہ طے کر کے فوج کا جائزہ لیا تو وہ پندرہ ہزار تھے پانچ ہزار واپس جا چکے تھے جب اگلے مرحلے میں جائزہ لیا تو بارہ ہزار تھے جب صبح جائزہ لیا تو عقل حیران رہ گئی مسلمانوں کی تعداد ایسی تھی جیسے کالے نیل پر سفید دھبہ ہو۔ الب ارسلان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں سورج ڈھلنے کے بعد ان سے مقابلہ کروں گا۔ ساتھیوں نے پوچھا یہ کیوں؟ کہا اس لیے کہ یہ وہ وقت ہوگا کہ روئے زمین پر جو بھی (مسجد کا) منبر ہے اس پر ہمارے لیے دعا ہو رہی ہوگی یہ جمعہ کا دن تھا۔ ساتھیوں نے کہا ایسا ہی کریں جب سورج ڈھل گیا انہوں نے نماز پڑھی اور پھر کہا کہ ہر آدمی دوسرے سے رخصت لے اور وصیت کرے انہوں نے ایسا ہی کیا الب ارسلان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے حملہ کرنے کا پختہ عزم کر لیا ہے میرے ساتھ مل کر حملہ کرو اور جب تک میں شروع نہ کروں کوئی تیر یا تو وار نہ چلائے۔ اس نے حملہ کیا ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور یکبارگی حملہ کر دیا مشرکوں کی صفیں چیر دیں ایک کے بعد ایک کوئی چیز ان کے سامنے نہ ٹھہر سکی یہاں تک کہ یہ بادشاہ کے خیموں تک پہنچ گئے اس کا گھیراؤ کر لیا ان کا خیال تھا کہ بادشاہ تک کوئی نہ پہنچ سکے گا اسے احساس بھی نہ ہوسکا کہ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اس کا سر قلم کر کے نیزے پر اٹھا لیا اور اعلان کر دیا کہ بادشاہ قتل ہو گیا ہے مشرکین یہ

سن کر شکست خوردہ پلٹ گئے کسی چیز کی پرواہ کیے بغیر مسلمانوں نے کئی دنوں تک ان پر تلواریں چلائے رکھیں کوئی بچ نہ سکا کچھ مارے گئے کچھ قید کر لیے گئے۔

طرطوشی نے سراج الملوک اور قرطبی نے اپنی تاریخ (کی کتاب) میں لکھا ہے کہ طارق (بن زیاد) رضی اللہ عنہ سترہ سو آدمیوں کو لے کر اندلس میں داخل ہوا تھاتین دن تک لڑتا رہا تدفیر نے جو کہ ذریعہ کا نائب تھا اس نے ذریعہ کو لکھا کہ (دشمن کے) اتنے لوگ مقابلے پر آ گئے ہیں کہ زمین سے نکلے ہیں آسمان سے برسے ہیں ہم نے ان سے جنگ کر لی مگر ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے آپ خود چل کر آئیں ذریعہ نوے ہزار گھڑ سوار لے کر پہنچ گیا۔ قرطبی نے ستر ہزار لکھے ہیں۔ تین دن تک ان سے لڑتے رہے مسلمانوں کے لیے مشکلات زیادہ بڑھ گئیں تو طارق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تلواروں کے علاوہ کوئی چارہ ہمارے پاس نہیں ہم کہاں جائیں ہم ان ملکوں کے درمیان ہیں اور پیچھے سمندر ہے میں ایک کام کرنا چاہتا ہوں جس میں فتح ہوگی یا موت ملے گی ساتھیوں نے کہا وہ کیا؟ طارق رضی اللہ عنہ نے کہا میں ان کے سردار پر حملہ کرنا چاہتا ہوں تم سب میرے ساتھ مل کر حملہ کرو سب نے ایسا ہی کیا ذریعہ اور اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ مسلمانوں کو فتح ہو گئی مسلمانوں نے تین دن تک ان کا پیچھا کیا انہیں قتل کرتے رہے مسلمانوں میں سے بہت کم لوگ شہید ہوئے۔

ایک آدمی کا بہت سے افراد پر حملہ کرنا اگرچہ قتل ہونے کا یقین ہو اس

کے جواز پر علماء کے اقوال

محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک آدمی بہت سے افراد پر حملہ کرے (یعنی دشمنوں پر) اگرچہ اسے یقین ہو کہ وہ مارا جائے گا جب اسے معلوم ہو کہ وہ قتل کرنے زخمی کرنے یا شکست دینے ان تینوں میں سے کوئی ایک حاصل کر لیا۔ پھر فرماتے ہیں اگر اسے یقین ہو کہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا تو پھر جائز نہیں اس پر سرخسی کا تبصرہ ہے کہ حملہ کرنے میں شرط یہ ہے کہ انہیں

واضح نقصان پہنچا سکے۔ (شرح السیر الکبیر: ۱/۱۶۳، ۱۶۴)

بصا ص رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: اگر ایک آدمی ایک ہزار آدمیوں پر اکیلا حملہ کرے تو اس میں حرج نہیں بشرطیکہ اسے اپنے بچنے یا دشمنوں کا نقصان پہنچانے کا یقین ہو۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی امید نہ ہو تو میں اس حملے کو ناپسند کرتا ہوں اس لیے کہ یہ صرف اپنی جان ضائع کرتا ہے اور وہ بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے بغیر آدمی کو یہ اس وقت کرنا چاہیے جب اسے مسلمانوں کی نجات کی امید ہو اگر مسلمانوں کی نجات یا دشمنوں کو نقصان پہنچانے کی امید نہ ہو تو مگر یہ مقصود ہو کہ مسلمانوں کے مثال و نمونہ بن جاؤں گا تا کہ وہ بھی ایسا کریں تو اس میں بھی حرج نہیں ہے اس لیے کہ اگر دشمن کے نقصان کی امید ہو اور نجات کی نہ ہو تو میرے خیال میں ان پر حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر یہ بھی امید ہو کہ ان پر حملہ کرنے میں کسی اور کو بھی نقصان ہو سکتا ہے اس کے حملے سے تو اس میں بھی حرج نہیں میرا خیال ہے کہ اس کو اجر ملے گا۔ یہ تب مکروہ ہوگا جس اس میں کسی قسم کا کوئی فائدہ (یا مقصد) حاصل نہ ہوتا ہو اگر نجات اور نقصان نہ ہو مگر دشمنوں کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کا ذریعہ بنتا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی نقصان پہنچانا ہے اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ بصا ص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں محمد نے یہ جو صورتیں بیان کی ہیں صحیح ہیں ان کے علاوہ کسی صورت میں ہو تو جائز نہیں اگر اپنی جان دینے میں دین کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو تو یہ قابل تعریف ہے اللہ نے اس کام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ. (توبہ: ۱۱۱)

اللہ نے مومنوں سے خرید لی ہیں ان کی جانیں اور ان کے اموال بدلے میں ان کے لیے جنت ہے یہ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے قتل کریں گے بھی اور قتل بھی ہوں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ. (آل

(عمران: ۱۶۹)

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ مت کہو وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ. (البقرہ: ۲۰۷)

اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جس نے خود کو اللہ کی مرضی کے بدلے فروخت کر دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلم میں اصحاب الاخذ وکذا واقعہ ہے اس میں ہے کہ لڑکے نے اپنے قتل کا طریقہ بتا دیا ہے کہ مسلمان کفار کی صفوں میں گھس جائے اگرچہ اس کا ظن غالب ہو کہ وہ اسے قتل کر دیں گے اگر اس میں دین کی مصلحت ہو۔ جب آدمی وہ کام کرتا ہے کہ جس میں دین کے فائدے کے لیے اس کی جان جاسکتی ہے اور یہ بہت بڑا کام ہے بنسبت دوسرے کے قتل کے تو اس کا یہ عمل دین کی مصلحت کے لیے دوسرے کو قتل کی طرف لے جاسکتا ہے اگر اس کے بغیر مسلمانوں کے دین و دنیا کو برباد کرنے والے دشمن کو ہٹانے کا اور کوئی راستہ نہ ہو اس طرح کرنا بدرجہ اولیٰ بہتر ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۵۴۰)

مرداوی سے الانصاف میں منقول ہے: شیخ تقی الدین نے ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کے فائدے کے لیے دشمن کی صفوں میں گھسنا جائز ہے (اگر فائدہ نہ ہو) تو ممنوع ہے یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے (الانصاف)۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک آدمی کا بہت سے دشمنوں پر اکیلے حملہ کرنے کے بارے میں جمہور کی رائے ہے کہ اگر یہ اس وقت بہت سے دشمنوں پر اکیلے حملہ کرنے کے بارے میں جمہور کی رائے ہے کہ اگر یہ اس کی شجاعت کی وجہ سے ہو اور اس کو یقین ہو کہ اس سے دشمن کو ڈرایا جاسکتا ہے یا مسلمانوں کو ان پر جرات حاصل ہو سکتی ہے یا اس طرح کے دیگر مقاصد ہوں تو پھر جائز ہے قابل تعریف ہے اور اگر صرف جوش و جذبہ کے طور پر ہو یا خاص کر مسلمانوں کی کمزوری کا سبب بن رہا ہو تو ممنوع ہے۔ (فتح

(الباری)

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایک آدمی جنگ کے دوران اکیلا بہت سے دشمنوں پر حملہ کرے ہمارے علماء میں سے قاسم بن خیمہ بن محمد اور عبد الملک کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اکیلا آدمی بہت بڑے لشکر پر حملہ کر دے جب اس آدمی میں طاقت ہو اور نیت خالص اللہ کے لیے ہو اگر اس میں قوت نہیں تو پھر یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ کسی نے کہا کہ اگر شہادت مقصود ہو اور نیت خالص ہو تو حملہ کر دے اس لیے کہ دونوں میں سے اس کا ایک مقصد ہے۔ جو اللہ کے فرمان: **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِى نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ** (البقرہ: ۲۰۷) میں مذکور ہے۔

ابن خويز منداد کہتے ہیں: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایک آدمی سوا آدمیوں پر یا ایک لشکر پر یا چوروں کے گروہ پر یا خوارج یا جنگجوؤں حملہ کرے تو اس کی دو حالتیں ہیں اگر اس کو یقین یا ظن غالب ہو کہ جن پر حملہ کر رہا ہے انہیں قتل کر سکتا ہے تو حملہ کرنا اچھا عمل ہے اور یا اس بات کا یقین یا ظن غالب ہو کہ خود مارا جائے گا مگر ان کو نقصان پہنچا سکے گا یا ایسا کوئی راستہ نکل آئے گا کہ جو مسلمانوں کے لیے مفید ہوگا تو جائز ہے حملہ کرنا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب مسلمانوں کا ایرانیوں سے سامنا ہوا تو گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدگئے ایک آدمی نے مٹی کا ایک ہاتھی بنایا اور اپنے گھوڑے کو اس سے مانوس کر دیا جب صبح ہوئی تو اس کا گھوڑا نہیں بدکا اس نے پہلے سامنے آنے والے ہاتھی پر حملہ کر دیا کسی نے کہا یہ ہاتھی تمہیں قتل کر دے گا اس نے کہا کوئی بات نہیں اگر میرے قتل سے مسلمانوں کو فتح ہو تو کوئی نقصان نہیں۔ اسی طرح جنگ یمامہ میں جب بنو حنیفہ نے ایک باغ میں پناہ لی تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے کہا مجھے دیوار کی پرلی طرف پھینک دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اس نے ان لوگوں سے اکیلے لڑائی کی اور دروازہ کھول دیا۔ میں (قرطبی) کہتا ہوں: اس طرح کا واقعہ وہ بھی ہے کہ ایک آدمی نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ مجھے بتائیں کہ اگر میں اللہ کی راہ میں صبر کرتا ہوا ثواب کی نیت رکھتا ہوا قتل ہو جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے جنت ہے۔ وہ آدمی دشمنوں کے جھتے میں گھس گیا اور شہید

ہو گیا۔ (مسلم)

صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم احد والے دن انصار کے ساتھ اور قریش کے دو آدمیوں کے ساتھ رہ گئے جب کفار نے گھیراؤ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو انہیں دھکیل دے گا اس کے لیے جنت ہے یا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ تو انصار میں سے ایک آدمی آگے بڑھا لڑتا رہا شہید ہو گیا اسی طرح باری باری سات انصار شہید ہو گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ پھر حسن کا گزشتہ قول نقل کر کے کہتے ہیں اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہونا چاہیے کہ جب دین کے لیے مفید تو اپنی جان قربان کر دے یہ شہداء کے اعلیٰ درجات میں ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ

الْأُمُورِ. (لقمان: ۱۷)

معروف کا حکم کر اور منکر سے منع کر اور جو تکلیف پہنچتی ہے اس پر صبر کر یہ پر عزم کام ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں سب سے افضل شہید حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ آدمی جو جاہر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہے اور وہ اسے قتل کر دے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر ایک آدمی ایک ہزار مشرکین پر اکیلا حملہ کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر اس میں (مسلمانوں کی) نجات یا دشمن کو نقصان پہنچنے کی امید ہو اگر اس طرح کی امید نہ ہو تو پھر یہ مکروہ ہے اس لیے کہ یہ خود بغیر کسی فائدے کے ہلاک کرنا ہے۔ اگر کسی کا مقصد مسلمانوں کو جہراء دلانا ہو کہ وہ بھی ایسا کریں تو اس کا جواز بھی ہے۔ اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کا ایک لحاظ سے فائدہ ہے اور اگر اس طرح کے حملے کا مقصد دشمن کو ڈرانا ہو تاکہ وہ مسلمانوں کی دین کے بارے میں سختی برداشت کرنے کی قوت دیکھ لیں تو یہ بھی جائز ہے جب اس حملے میں مسلمانوں کا فائدہ ہو اپنی جان دین کے غلبے اور کفر کی رسوائی کے لیے قربان کر دے تو یہ قابل قدر مرتبہ

ہے جس کی تعریف اللہ نے کی ہے: إِنَّ اللَّهَ..... و دیگر اس طرح کی کئی آیات میں تعریف کی گئی

ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی: ۲/۳۶۴)

ابن العربی وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۵) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: تَهْلُكَةُ میں پانچ اقوال ہیں:

- ① خرچ کرنا چھوڑ دو۔
- ② بغیر زادراہ و تیاری کے مت نکلو۔
- ③ جہاد ترک مت کرو۔
- ④ جن فوجوں سے مقابلہ کی قوت نہ ہو مقابلے کے لیے مت جایا کرو۔
- ⑤ مغفرت سے مایوس نہ ہو۔

پھر فرماتے ہیں طبری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا قول ہے کہ یہ تمام کے لیے ان میں کوئی تناقض نہیں ہے سب کے لیے صحیح ہے سوائے فوج میں گھس جانے والی رائے کے اس لیے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ قاسم بن خیمہ اور قاسم بن محمد اور عبد الملک کہتے ہیں: اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ ایک آدمی پورے لشکر پر حملہ کر دے اگر اس میں قوت ہے اور اس کی نیت اللہ کے لیے خالص ہے اگر اس میں قوت نہ ہو تو پھر یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب شہادت کی طلب ہو اور نیت خالص ہو تو حملہ کر دے اس لیے کہ اس کا ایک مقصد شہید ہونا بھی ہے اور اللہ کے فرمان میں یہی بیان ہوا ہے: وَمَنْ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ (البقرہ: ۲۰۷)۔ پھر فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ صحیح ہے کہ اگر کسی میں طاقت ہو تو وہ فوج پر حملہ کر سکتا ہے اس لیے کہ اس کی چار وجوہات ہیں:

- ① شہادت کی طلب۔
- ② دشمن کا نقصان۔
- ③ مسلمانوں کو دشمن پر جرات دلانا۔

۴ دشمنوں کو بزدل بنانا کہ وہ یہ سوچیں کہ اگر ایک آدمی کا یہ جذبہ ہے تو باقی مسلمانوں کا کیا ہوگا؟۔ (احکام القرآن لابن العربی)

سب وجوہات خودکش حملوں میں موجود ہیں

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک آدمی اکیلا حملہ کرے اگرچہ اسے اپنے قتل ہونے کا یقین ہو اگر اس حملہ سے وہ دشمن کے قتل، زخمی کرنے یا شکست دینے میں سے کوئی ایک مقصد حاصل کر سکتا ہو۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے احد کی جنگ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا مظاہرہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور اگر دشمن کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو تو پھر جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس حملہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے دین کے غلبہ کے لیے۔ (حاشیہ: ۴/ ۳۰۳)

امام غزالی فرماتے ہیں: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک مسلمان کفار کی صف پر حملہ کرے ان سے قتال کرے اگرچہ اسے معلوم ہو کہ وہ مارا جائے گا جس طرح کہ یہ جائز ہے کہ قتل ہونے تک کفار سے قتال کرتا رہے یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں جائز ہے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ حملہ کرنے سے کفار کو نقصان نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ کوئی اندھا یا معذور آدمی خود کو کفار کی صف پر گرا دے تو یہ حرام ہے یہ آیت اِلٰی التَّهْلُكَةِ داخل ہے یہ اقدام اس وقت جائز ہے جب یہ معلوم ہو کہ وہ اس وقت تک مارا نہیں جائے گا جب تک وہ کسی (دشمن) کو نہ مار دے یا یہ معلوم ہو کہ اس کی اس حرکت اور جرات کو دیکھ کر دشمن کفار کے دل ٹوٹ جائیں گے ان کا سارے مسلمانوں کے بارے میں یہ خیال بن جائے گا کہ سبھی اتنے جرات مند ہیں سب کو اللہ کی راہ میں شہادت کا شوق ہے اس طرح کفار کی طاقت کمزور ہوگی۔ (اتحاف السادة)

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا تھا کہ ایک آدمی اکیلا لشکر جبار پر حملہ کر دے اور اس وقت تک مقابلے پر ڈٹا رہے جب تک شہید نہ

ہو جائے۔ رسول ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ اپنے بندے کے کس عمل سے ہنستا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی کا زرہ کے بغیر دشمن کی صف میں گھس جانا (یہ سن کر) ایک آدمی نے زرہ اتاری اور دشمن کی صف میں گھس گیا اور شہید ہو گیا۔ (المحلی ابن حزم: ۷/۲۹۴)

ہم نے گزشتہ سطور میں جو دلائل و اقوال ذکر کیے ان سے واضح ہوتا ہے دین کے غلبے کے لیے کسی مسلمان کا اپنی جان کو قربان کر دینا جائز ہے اور اللہ کی راہ میں خود کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا جائز ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کے دوران خود کو قربان کرنا جائز ہے۔ ایک مسلمان کا دشمن کی فوج پر حملہ جائز ہے۔ اگرچہ اسے اپنی ہلاکت کا یقین ہو۔ جو بھی ایسا کرے گا وہ اللہ کے اس فرمان میں شامل ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُفَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ. (توبة: ۱۱۱)

اس کو اس کے عمل کا اجر ملے گا اللہ اس سے راضی ہوگا اور جس نے اللہ کی راہ میں جان دیدی وہ آیت: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۵)۔ کے ضمن میں داخل نہیں ہوگا۔ نہ ہی اس نبی کے تحت داخل ہے جس میں خودکشی سے منع کیا گیا ہے اس طرح کرنے والا ظالم اور زیادتی کرنے والا شمار نہیں ہوگا اس لیے کہ قتل نفس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا. (النساء: ۳۰)

جس نے اس طرح کیا سرکشی اور ظلم کی بنا پر ہم عنقریب اسے آگ میں ڈال دیں گے۔

زیادتی کا مقصد ہے کہ اللہ کے حرام کردہ کام کو حلال سمجھنا۔ ظلماً کا مقصد ہے اس نے اپنی طرف سے وہ کام کر لیا جس کی اجازت اللہ نے اسے نہیں دی تھی اور جس سے اللہ نے منع کیا تھا اس کا ارتکاب کیا (تفسیر طبری)۔ عدوان کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا۔ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو غلط جگہ پر رکھنا اسی لیے علماء نے اس قید سے قتل کی اقسام کی ہیں مثلاً ایک قتل ہے قصاص کے حق کے حصول کے لیے ایک قتل

مرتد و دیگر حدود شرعیہ کا ہے۔ اسی طرح اس سے قتل خطا خارج ہے۔ قتل سہو و غلط خارج ہے اور جس کا طریقہ اجتہاد فی الاحکام کا ہو یہاں تک کہ وہ عمد و نافرمانی تک پہنچ جائے۔ (تفسیر فتح القدیر: ۱/ ۴۵۷)

ہم نے مذکورہ دلائل سے جو استدلال کیا ہے اس پر بعض علماء نے اعتراض کیا ہے وہ کہتے ہیں ان دلائل سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ایک آدمی دھوکے سے مارا جائے اور قاتل وہ نہ ہو جو حملہ آور ہے جبکہ خود کش حملوں میں حملہ آور خود کو اپنے ہاتھوں ہلاک کرتا ہے اگرچہ اس کی نیت نیک ہوتی ہے۔ یہ اہم اور موثر فرق ہے جس نے خود کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کیا وہ اس کی طرح نہیں ہے جسے دشمن نے قتل کیا ہو اس اعتراض کا جواب آنے والے مسئلہ میں واضح ہو جائے گا۔ یعنی یہ کہ اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک آدمی اپنے آپ کو خود ہلاک کرتا ہے یا کسی اور کے فعل سے مارا جاتا ہے۔ اصحاب الا حدود کے واقعہ میں ہے کہ لڑکے نے بادشاہ سے کہا تھا تم مجھے اس وقت تک نہیں مار سکتے جب تک میری بات پر عمل نہ کرلو۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو مجھے کھجور کے ایک تنے پر لٹکا دو پھر میرے ترکش میں سے ایک تیر لے کر بم رب ہذا الغلام کہہ کر چلا دو جب تم ایسا کر لو گے تو میں مرجاؤں گا۔ بادشاہ نے وہی کیا جو لڑکے نے کہا اور اسے قتل کر دیا۔ کسی آدمی کو اپنے قتل کا حکم دینا ایسا ہی ہے جیسے خود کو قتل کر دیا جائے قتل کا سبب بننے والا بھی قاتل کی طرح ہی ہے جمہور علماء کی رائے ہے کہ اس سے بھی قاتل کی طرح قصاص لیا جائے گا۔ بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں: ایک لڑکا مارا گیا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر صنعاء کے سب لوگ اس میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ ابن ابی شیبہ نے سعید بن وہب سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ سفر میں گئے ان کے ساتھ ایک آدمی تھا مگر واپس نہیں آیا اس کے رشتہ داروں نے ان ساتھیوں پر الزام لگا دیا (قاضی) شریح نے ان سے کہا گواہ پیش کرو یا یہ لوگ قسم کھالیں گے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا وہ اسے علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا میں بھی وہاں تھا ان سے علیحدہ علیحدہ تفتیش کی گئی تو انہوں نے اعتراف کر لیا میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنائیں ابوالحسن فیصلہ کرنے والا ہوں پھر انہوں نے حکم دیا وہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ ابن ابی شیبہ

ابن جریج سے بھی روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: میں نے سلیمان بن موسیٰ سے سنا انہوں نے کہا کہ اگر پوری قوم ایک آدمی کے قتل میں ملوث ہوئی تو سب کو قتل کیا جائے گا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سات آدمی ایک آدمی کے قاتل ہونے کی وجہ سے قتل کر دیئے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اگر پوری قوم اس قتل میں معاونت کرے اس کی تائید کرے قتل میں شریک ہو اور ایک آدمی قتل کر دے تو پوری قوم کو قتل کیا جائے گا۔ صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مالک - نخعی اور ابن ابی لیلیٰ کی رائے ہے کہ اگر سب لوگ ایک آدمی کے قتل میں شریک ہوئے تو سب کو قتل کیا جائے گا۔ جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔ علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے پھر دیگر اقوال ذکر کیے ہیں فرماتے ہیں ہمارے سامنے قوی دلیل ہے اس بات کی کہ گروہ کو ایک آدمی کے بدلے قتل کیا جائے گا اس کی دلیل ہم نے ضواء النہار کے حواشی پر لکھ دی ہے اور اپنے اباحت کے ذیل میں بھی۔

(سبل السلام: ۳/۴۹۳)

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ نے صنعاء میں سات آدمیوں کو ایک آدمی کے بدلے میں قتل کرا دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر صنعاء کے سب لوگ اس میں ملوث ہوتے تو میں سب کو قتل کرا دیتا۔ علی رضی اللہ عنہ نے حرور یہ (قبیلہ یا فرقہ) کو عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کے بدلے میں قتل کرا دیا تھا وہ ان کے قتل سے رک گئے تھے جب تک انہوں نے اعتراف نہ کر لیا جب انہوں نے عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو ذبح کر لیا تھا اور اس کی اطلاع علی رضی اللہ عنہ کو دی گئی تو آپ نے کہا انہیں بلاؤ ہمارے سامنے آجائیں اور عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کا قاتل ہمارے حوالے کر دیں انہوں نے کہا ہم سب نے قتل کیا ہے تین مرتبہ کہا تو علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس قوم کا مقابلہ کرو۔ تھوڑی ہی دیر میں علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کو قتل کر دیا (دونوں روایتیں دارقطنی نے روایت کی ہیں)

ترمذی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آسمان وزمین والے ایک مومن شخص کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ ان سب کو آگ میں

اوندھے منہ ڈال دے گا۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔

اگر ایک گروہ کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ انہوں نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کے قتل میں دشمن کے مقابلے میں دشمن سے تعاون کے لیے نہیں کیا اور اس وجہ سے شریک نہیں ہوئے وہ لوگ تشریف کو پہنچ گئے اور اس قاعدے کا لحاظ کرنا الفاظ کے لحاظ سے بہتر ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲/۲۵۱)

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر صنعاء والے سارے اس قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ اگر سب قتل میں براہ راست ملوث ہوں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں (کہ سب کو مار دیا جائے گا) اور اگر کچھ لوگ براہ راست ملوث نہ ہوں لیکن ایسا سبب بن گئے ہوں جو قتل کی طرف لے جانے والا ہو تو جمہور کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر دیت لازم ہوگی۔ جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں کے بارے میں کہا تھا جنہوں نے ایک آدمی سے متعلق کہا تھا کہ اس نے چوری کی ہے تو اس آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا پھر وہ دونوں آدمی اپنی بات سے پھر گئے کہنے لگے ہم سے غلطی ہوگئی تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تم دونوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو میں تم دونوں کے ہاتھ کاٹ دوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک ہاتھ کے بدلے کئی ہاتھ کاٹے جاسکتے ہیں اور جھوٹی گواہی دینے والے پر دیت ہے۔ (مجموع الفتاوی: ۲/۳۸۲، البحر الرائق لابن نجیم: ۸/۳۵۴)

سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک قتل میں شریک بہت سارے لوگ ہوں تو ان سے قصاص لینے میں علماء نے تردد کیا ہے ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ بہت سارے لوگوں کا ایک شخص کے قتل میں شریک ہونا قیاس سے خارج ہے البتہ عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت ہے کہ اگر سب صنعاء والے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حق مذہب میرے نزدیک یہ ہے کہ مشترک لوگوں کو قیاس کے قاعدے کی رو سے قتل کیا جائے گا یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ ان میں سے کچھ لوگ قتل سے خارج تھے اس لیے کہ اس طرح کرنے سے قصاص ہٹایا جائے گا تو اس سے بہت بڑا فساد و بگاڑ پیدا ہوگا

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (ایک آدمی کے بدلے میں کئی آدمی کو قتل کرنے کی) حکمت یہ ہے کہ بندوں کے درمیان قصاص کو مشروع کر دیا جائے جس میں لوگوں کے لیے زندگی ہے (ولکم فی القصاص حیاة) اگرچہ ایک آدمی کے قتل پر کئی لوگ جمع ہوں گے تو یہ ان سے قصاص کو ثابت نہیں کرتا مگر قصاص نہ لینے سے لوگوں کو قتل کرنے کا رجحان بڑھ جائے گا قتل روکنے کا بڑا ذریعہ قصاص ہے دیت نہیں ہے اس لیے کہ دیت مالداروں کے لیے آسان ہے غریب کے لیے بھی آسان ہے کہ وہ غربت کی وجہ سے ادائیگی سے خود کو چھڑالیں گے جب قتل کسی گروہ کے فعل سے ثابت ہو جائے تو قصاص لینا کتاب و سنت سے ثابت ہو جائے تو قصاص لینا کتاب و سنت سے ثابت شدہ شریعت کی حکمت سے ثابت ہے اس لیے اللہ نے ایک نفس کو قتل کرنے والے کو تمام لوگوں کے قتل کے برابر قرار دیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ شریعت کے مقاصد کو بہت بہتر سمجھتے تھے اور دین کی مصلحت سے بھی اچھی طرح واقف تھے اس لیے انہوں نے ایک آدمی کے قتل میں شریک سات آدمیوں کو قتل کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر صنعاء کے تمام لوگ اس قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر ادیتا۔ یہ واقع موطا میں متصل مذکور ہے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی۔ (السیل الحرار للشوکانی: ۴/۳۹۷)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قتل میں براہ راست ملوث کو قتل کیا جائے گا اور معاون کو قید کیا جائے گا جسے دارقطنی نے روایت کیا ہے تو یہ ضعیف ہے جیسا کہ بیہقی نے کہا صنعانی نے اسے مرسل قرار دیا ہے لہذا یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ جمہور کا اتفاق ہے کہ مباشر و معاون ایک ہی حکم میں ہیں (یہ خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ کی سنت بھی ہے) اس پر ان لوگوں کا عمل بھی دلیل ہے جو اپنی مرضی سے دین کے تحفظ کے لیے آگ میں کود گئے تھے اور جب ایک عورت پس و پیش کرنے لگی تو اللہ نے اس کے بچے کو بولنے کی قوت دیدی اور اللہ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے حالانکہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی جانوں کا خاتمہ کیا تھا۔ ہماری مذکورہ باتوں کی صحت پر یہ بات بھی دلیل ہے کہ جس نے خود کو قتل کیا یا دشمن کو اس میں کوئی فرق نہیں ہے اگر یہ جہاد فی سبیل اللہ میں ہو تو۔ جیسا کہ سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے خیبر کے واقعہ کی تفصیل

بیان کی ہے جس میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: یہ آگے جانے والا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عامر بن اکوع ہے سلمہ بن الاکوع کا بھائی آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے۔ لوگوں میں سے کسی نے کہا اللہ کے رسول کیا اس کے لیے (موت) واجب ہوگئی ہے؟ کاش کے ہم اس سے مزید فوائد حاصل کرتے جب صفیں آمنے سامنے ہوئیں تو عامر کی تلوار چھوٹی تھی اس نے ایک یہودی کی پنڈلی پر مارنے کی کوشش کی مگر تلوار (گھوم کر آئی اور اس کی) نوک اس کے اپنے گھٹنے پر لگی اور اس کی وجہ سے وہ مر گئے۔ جب جنگ سے فراغت کے بعد لوگ واپس ہوئے تو رسول ﷺ نے مجھے پریشان دیکھا آپ ﷺ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے کہاں میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان لوگوں کا خیال ہے کہ عامر کے اعمال برباد ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ بات کس نے کی ہے؟ میں نے بتایا فلاں فلاں اور اسید بن الحضر الانصاری نے۔ رسول ﷺ نے فرمایا جس نے بھی کہا جھوٹ بولا ہے اس کے لیے دواجر ہیں دونوں انگلیاں ملا کر بتایا کہ وہ کوشش کرنے والا ہے اور مجاہد ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جسے کسی فقیہ کی آنکھ نظر انداز نہیں کر سکتی وہ یہ کہ جو بھی اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے چاہے دشمن کے ہاتھوں مارا گیا ہو یا اپنے ہاتھ سے مر گیا ہو۔ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی تلوار پلٹ آئی اور اس کے گھٹنے پر لگی اور وہ مر گئے نبی ﷺ نے ان لوگوں کی تردید کی جو کہتے تھے کہ عامر نے خود کو قتل کیا ہے آپ ﷺ نے واضح کیا کہ اس کے لیے دواجر ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم نے حمینہ کے ایک قبیلہ پر حملہ کیا ایک مسلمان نے ان میں سے ایک آدمی سے مقابلہ کیا مگر غلطی سے اس کی تلوار اس کو لگ گئی رسول ﷺ نے فرمایا: اے مسلمانو تمہارا بھائی ہے لوگ اس کی طرف لپکے مگر وہ مر چکا تھا رسول ﷺ نے اس کو اسی کے خون آلود کپڑوں میں لپیٹا اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور دفن دیا۔ لوگوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ یہ شہید ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اور میں اس کی شہادت کا گواہ ہوں۔ (ابوداؤد۔ ابن ابی عاصم نے باب باندھا ہے الرجل یضرب بسلاحه العدو

فیرجع علیہ فی موت شہیداً)

نبی ﷺ نے اس کو شہید قرار دیا حالانکہ وہ اپنے ہاتھوں سے مارا گیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ وہ شہید نہیں ہے جب نبی ﷺ نے اسے شہید قرار دیا تو اس کے بعد کسی کے حکم کی ضرورت نہیں رہی تمام تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ہاتھوں مارا گیا ہو یا کسی اور کے ہاتھ سے اگر اس نے جان اللہ کی راہ میں دی ہے تو وہ شہید ہے۔ دونوں میں فرق نہ ہونے والی بات کو مزید تقویت علماء کے اقوال سے بھی ہوتی ہے جن میں شہید کی تعریف کی گئی ہے اس میں انہوں نے فرق نہیں کیا ہے کہ کس کے ہاتھ سے مارا گیا ہو۔ علماء احناف کہتے ہیں شہید وہ ہے جسے مشرکین نے قتل کیا ہو یا معرکہ میں مقتول پایا گیا ہو اور اس پر ظاہری زخموں کے نشان ہو یا باطنی مثلاً آنکھ سے خون نکلا ہو یا کوئی اور علامت ہو۔ (العناية شرح هداية)

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: شہید وہ ہے جو کفار سے جنگ میں آگے بڑھتے ہوئے مارا جائے بھاگتا ہو انہ مارا جائے۔ (فتح الباری: ۶/۱۲۹)

خطیب شربینی کہتے ہیں: جو کفار سے جنگ میں آگے بڑھتا ہو مارا جائے بھاگتا ہو انہ مارا جائے کلمہ کی سر بلندی اور کفار کو شکست دینے کے لیے لڑ رہا ہو کسی قسم کا دنیاوی مقصد نہ ہو۔ (مغنی المختار: ۱/۳۵۰)

بلکہ بعض علماء نے تو صراحت کی ہے اگر معرکہ کے دوران مجاہد کی تلوار اس پر پلٹ آئے اور وہ مرجائے تو وہ بھی دیگر شہداء کی طرح شہید ہے۔

منصور الہیوتی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (شہید وہ ہے جو) کفار سے معرکہ میں مارا جائے چاہے وہ مرد ہو یا عورت بالغ ہو یا نابالغ چاہے وہ کفار کے ہاتھوں مارا گیا ہو یا اپنا اسلحہ اس پر پلٹ آیا ہو اور اس سے مرا ہو۔ یا سواری سے گرا ہو یا مرا ہو یا پایا گیا اس پر کوئی نشان بھی نہ ہو بشرطیکہ مخلص ہو۔ (کشاف القناع: ۱۱۳/۲)

احمد الدردیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو جنگ میں مارا جائے اگرچہ مسلمان ملک میں مارا گیا ہو جنگ مسلمانوں یا

غیروں کی ہو یا لڑتے ہوئے نہ مرا ہو بلکہ بے خبری یا سوتے میں مرا ہو۔ یا کسی مسلمان نے کافر سمجھ کر مارا ہو یا گھوڑے نے اسے کچلا ہو یا اس کا اپنا اسلحہ اس پر پلٹ آیا ہو یا کسی کنویں میں گرا ہو یا پہاڑ سے گرا ہو (یہ سب جنگ کے دوران ہو)۔ (الشرح الكبير: ۱/ ۴۲۵)

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ جو شخص جہاد کے دوران اپنے کسی فعل سے قتل ہو گیا وہ شہید ہے اور جو لوگ فرق کرتے ہیں اپنے ہاتھوں مرنے اور دشمن کے ہاتھوں مرنے کے درمیان تو ان کی رائے کو ابن قدامہ نے رد کیا ہے فرماتے ہیں: اگر شہید ایسا ہو کہ اپنے ہتھیار سے اس کی موت واقع ہوئی ہو تو وہ بھی اس مقتول کی طرح ہے جو دشمن کے ہاتھوں مارا گیا ہو۔

قاضی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے غسل دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھائی جائے گی اس لیے کہ وہ مشرکوں کے ہاتھوں نہیں مرا لہذا یہ اس کے مشابہ ہے جو معرکہ کے بغیر مر گیا ہو۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہماری دلیل ابو داؤد کی روایت ہے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے جہینہ کے ایک قبیلے پر حملہ کیا اور عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے خیبر والے دن مبارزہ کیا تو وہ دشمن کی ٹانگوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ اس کی تلوار پلٹ آئی اور وہ خود مارا گیا وہ شہداء میں شمار ہوا وہ معرکہ کا شہید تھا اور ایسا ہی تھا جیسے دشمن نے اسے قتل کیا ہو۔ (المغنی: ۲/ ۲۰۶)

شہید کی جو تعریف گزر چکی ہے اور علماء کے اقوال مذکور ہوئے ان سے واضح ہوتا ہے کہ جمہور علماء نے قتل کا ذریعہ بننے والے ہاتھ کو اہمیت نہیں دی ہے کسی پر شہید ہونے کا حکم لگانے کے لیے۔ جبکہ فرق کرنے والے قول کو ان دلائل کی بنا پر رد کیا جاسکتا ہے جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ واضح ہوا کہ شہید ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ مجاہد دشمن کے ہاتھوں مارا گیا ہو۔ شہید وہ ہے جو شرعی قتال کر رہا ہو اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے اور کفار کو شکست دینے کے لیے اس میں اعتبار نیت کا ہے۔ شریعت نیت کی بنا پر بہت سے مماثل احکام میں فرق کرتی ہے۔ ایسے امور کہ بظاہر ایک جیسے ہوں مگر حقیقت اور حکم میں مختلف ہوں ان کی مثال ہے نیت کی بنا پر میدان جنگ میں قتل ہونے والوں کی۔

❁ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی ﷺ سے سوال ہوا کہ ایک آدمی غنیمت کے لیے لڑتا ہے۔ ایک غیرت کے لیے ایک شہرت کے لیے ایک مقام و مرتبے کے لیے تو ان میں سے فی سبیل اللہ کس کو کہا جائے گا؟ ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی دلیری دکھانے کے لیے ایک ریاء کے لیے..... ایک غصے اور خاندانی حمیت کے لیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اس مقصد کے لیے لڑتا ہو کہ اللہ کا کلمہ سر بلند ہو وہ فی سبیل اللہ ہے۔ (بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ نسائی)

حدیث میں جتنی قسمیں مذکور ہیں سب قتال کرنے والوں کی ہیں اور بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ سب لڑنے والے ہیں لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے جو اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کے لیے لڑتا ہے اگر وہ مارا جاتا ہے تو شہید ہے اس کے لیے تمام وہ انعامات و اکرامات ہیں جو شہید کے لیے ہیں اور جو غصہ۔ حمیت۔ شہرت۔ غنیمت وغیرہ کے لیے لڑتا ہے اور مارا جاتا ہے تو اس کے لیے شہید کا حکم نہیں ہے۔

❁ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: قیامت میں سب سے پہلے جو فیصلہ ہوگا ان میں سے ایک شہید ہوگا اس سے سوال ہوگا تم نے کیا عمل کیا؟ کہے گا میں نے تیری راہ میں قتال کیا تھا اور اس میں شہید ہوا تھا۔ اللہ فرمائے گا تم جھوٹ بولتے ہو تم نے اس لیے قتال کیا تھا کہ تمہیں بہادر کہا جائے اور وہ تمہیں کہا گیا تھا پھر حکم کیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک وہ آدمی ہوگا جس نے علم حاصل کیا ہوگا قرآن پڑھا ہوگا اسے لایا جائے گا اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کیا تھا؟ کہے گا میں نے علم حاصل کیا تھا قرآن پڑھا تھا تیرے لیے۔ اللہ فرمائے گا تم جھوٹ بولتے ہو تم نے علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ تمہیں قاری کہا جائے اور وہ کہا گیا تھا۔ پھر حکم ہوگا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک وہ آدمی ہوگا جسے اللہ نے دولت دی تھی اسے لایا جائے گا اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا اللہ میں نے تیرے ہر پسندیدہ راہ میں مال خرچ کیا تھا اللہ فرمائے گا یہ تو نے اس لیے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے اور تجھے سخی کہا گیا تھا پھر حکم ہوگا اور اسے الٹا جہنم میں ڈال دیا جائے

گا۔ (مسلم۔ احمد)

اسی طرح وہ قتال کرنے والا بھی اسی طرح کے عذاب کا مستحق ہوگا جو بہادری۔ ریاء۔ حمیت وغیرہ کے لیے قتال کرتا ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں قتال کرتا ہے تو وہ جنت الفردوس میں جانے والوں میں سے ہے بظاہر دونوں قتال کرنے والے ہیں مگر حقیقت اور باطن میں دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فرق ہے۔

❀ اسی طرح کی روایت معاذ بن جبل سے بھی ہے رسول ﷺ نے فرمایا: غزوہ دو قسم کا ہے ایک وہ ہے جس میں اللہ کی رضا اور امام کی اطاعت مقصود ہوتی ہے اس میں جان و مال خرچ ہوتا ہے اور فساد سے اجتناب کیا جاتا ہے ایسے غزوہ میں سونا اور جاگنا دونوں کا اجر ملتا ہے اور جو غزوہ ریاء۔ شہرت اور امام کی نافرمانی اور فساد فی الارض کے لیے ہو اس میں کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوگا۔ (احمد۔ ابو داؤد۔ نسائی)

❀ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ مجھے جہاد اور غزوہ کے بارے میں بتائیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم نے ثواب کے لیے اور صبر کے ساتھ قتال کیا اللہ تمہیں صابر اور ثواب کمانے والا اٹھائے گا اور اگر تم نے ریاء اور مال کے لیے قتال کیا اللہ تمہیں ایسا ہی اٹھائے گا جس حال میں قتال کرو گے یا قتل کیے جاؤ گے اللہ تمہیں اسی حال میں اٹھائے گا۔ (ابو داؤد۔ بیہقی)

یہ گزشتہ احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ شرعی احکام شہید کے لیے تبدیل نہیں ہوتے اور مجاہد کے لیے قاتل ہاتھ کا اعتبار نہیں ہے نہ ہی آلہ قتل کا اعتبار ہے صرف شرط یہ ہے کہ خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کے لیے ہو ہم نے جو دلائل پیش کر دیے وہ ہماری بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ خودکش حملوں پر یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں ایسے لوگ بھی مارے جاتے ہیں جن کا قتل جائز نہیں اور وہ مسلمان ہوتے ہیں یا کفار کی عورتیں اور بچے ہیں یا جن کا قتل کسی وجہ سے جائز نہیں ہوتا لہذا یہ اس عمل کو مشروع قرار دینے میں رکاوٹ ہے۔ اس کا جواب ہم یوں

دیں گے کہ: یہ بات صحیح ہے کہ جن کفار کو مجاہدین قتل کرنا چاہتے ہیں بعض دفعہ ان کے ساتھ ایسے مسلمان یا ذمی یا بچے اور عورتیں یا اور ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا قتل جائز نہیں یا تو سرے سے ہی جائز نہیں ہوتا یا اس لیے کہ وہ لڑنے والوں کے ساتھی نہیں ہیں یا وہ مسلمانوں کا مال ہوتا ہے تو کیا واجب اور متعین جہاد ان حالات میں ترک کیا جاسکتا ہے؟ ممنوع قتل سے اجتناب کے لیے؟ یا ان لوگوں کو قصد انہیں ضمناً قتل کیا جاسکتا ہے؟ اگر اس کے بغیر وہ اہم اور اعلیٰ مقاصد حاصل نہ ہو سکتا ہو جو کفار سے جہاد کرنے کا ہے۔ یہ سوال محل بحث ہے ہم اس کا جواب یوں دیں گے کہ:

✽ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحب بن جثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: رسول ﷺ میرے پاس سے ابواء مقام پر گزرے آپ ﷺ سے سوال ہوا کہ مشرکین کے گھر والے بھی ان کے ساتھ رات کو ہوتے ہیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ انہی میں سے ہیں۔ (بخاری۔ مسلم)

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ کفار کی عورتوں اور بچوں کو قصداً قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ ممنوع ہے لیکن جب ان کے آباء کو قتل کرنے کا اور کوئی راستہ نہ ہو تو پھر جائز ہے قصداً انہیں ان کے ضمن میں۔ اور جب رسول ﷺ نے اس کی اجازت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تو اس کے لیے دیگر کچھ ضوابط مقرر نہیں کیے جو یہ بتاتے ہوں کہ یہ صرف ضرورت کے وقت جائز ہے بلکہ مسلمانوں کو کفار پر رات کے حملہ کرنے کی اجازت دینا خود ہی اس کو جائز قرار دیتا ہے۔ باوجودیکہ رسول ﷺ حملہ کرنے سے پہلے صبح ہونے کا انتظار کرتے تھے جب اذان سنتے تو (حملہ نہیں کرتے تھے) ورنہ کر دیتے۔ (بخاری۔ مسلم۔ احمد)

✽ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ جب کسی قوم سے جنگ کرنے جاتے تو صبح تک حملہ نہ کرتے جب اذان سنتے تو رک جاتے اور اگر صبح اذان کی آواز نہ آتی تو حملہ کر دیتے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب صبح ہوتی تو حملہ کرتے اور اذان کا انتظار کرتے جب اذان کی آواز آتی تو حملہ سے رک جاتے ورنہ حملہ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ ممکن حد تک کوشش کرتے

کہ رات کو حملہ نہ کریں اس لیے کہ اس میں عورتیں اور بچے مارے جاتے۔ دن کو حملہ کرتے مگر مجاہدین کے لیے شب خون مارنے کی مصلحت اس کو جائز کر دیتی ہے۔ اس معنی کی ایک روایت وہ بھی ہے کہ رسول ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر منجنیق سے پتھر برسائے۔ جبکہ منجنیق سے پھینکے جانے والے پتھروں کی زد میں سب ہی آجاتے ہیں حالانکہ نبی ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔

✽ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: رسول ﷺ نے پراؤ ڈالا پھر اہل طائف کا محاصرہ کیا یہ محاصرہ دس راتوں سے زیادہ رہا ثقیف نے آپ ﷺ سے تیروں اور پتھروں سے جنگ کی جبکہ وہ قلعہ بند تھے۔ مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا اور ثقیف کے بھی بہت سے لوگ مارے گئے مسلمانوں نے ثقیف کی انگوروں کی بلیں کاٹ دیں تاکہ انہیں غصہ دلایا جائے۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: محاصرہ کے دوران نبی ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہر شخص پانچ درخت کاٹے یا انگوروں کی بلیں کاٹے۔ ثقیف نے کہا مال کو نقصان مت پہنچاؤ یہ ہمارے اور تمہارے لیے ہے۔ رسول ﷺ سے مسلمانوں نے قلعہ پر چڑھنے کی اجازت مانگی رسول ﷺ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ہم اسے فتح نہیں کر سکتے اور اب تک اس کا حکم نہیں ہوا ہے۔

✽ ابو عبیدہ سے مروی ہے رسول ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا ان کے لیے منجنیق نصب کیا سترہ دن تک۔

بعض لوگ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے اہل طائف کے لیے منجنیق نصب کیا تھا لیکن مثبت مننی پر مقدم ہوتا ہے۔

✽ مکحول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے اہل طائف کے لیے منجنیق نصب کیا تھا۔ یحییٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: شافعی رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر القدریم میں کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے منجنیق نصب کیا تھا اسکندریہ والوں کے خلاف۔ یحییٰ رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی حبیب سے روایت

کیا ہے کہ فتح قیساریہ میں وہ ایک دن میں ساٹھ منجیق (کے ذریعے پتھر) مارتے تھے۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی بات ہے جب اللہ نے معاویہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائی۔ (تاریخ طبری) ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منشی الاخبار میں باب باندھا ہے: جواز تبیت الکفار ورمیہم بالمنجیق وان ادى الى قتل ذرارہم۔ کفار پر شب خون مارنا اور منجیق سے پتھر برسانا اگرچہ اس کے نتیجے میں ان کے بچے مارے جائیں۔ اس باب میں ثور بن یزید کی روایت لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے اہل الطائف پر منجیق نصب کی تھی۔ کہتے ہیں اسی طرح کی مرسل روایت ترمذی میں بھی ہے۔ شوکانی کہتے ہیں: ثور بن یزید کی روایت ابوداؤد کی مراسیل میں بھی ہے مکحول سے۔ الواقدی نے بھی السیرہ میں روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے اس سے انکار کیا ہے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ جو جانتا ہے اس کی بات دلیل ہے نہ جاننے والے پر۔ (نبیل الاوطار: ۸/ ۷۰-۷۱)

✽ حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں باب باندھا ہے: باب نصب المنجیق اور اس میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا اہل مصر کے ساتھ والی اثر نقل کی ہے۔

محمد بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول ﷺ نے اہل طائف پر منجیق نصب کیا تھا۔ اگر مسلمانوں پر یہ لازم ہوتا کہ جب مشرکین کے ساتھ میدان جنگ میں بچے ہوں تو جنگ سے رک جاؤ تو رسول ﷺ ضرور منع کرتے۔ اس لیے کہ ان کے میدانوں اور قلعوں میں بچے، قیدی، بہت زیادہ بوڑھے اور تاجر بھی ہوتے تھے مگر طائف کا واقعہ مشہور ہے کہ رسول ﷺ نے وہاں کیا کیا؟ پھر مسلمانوں، سلف صالحین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عجمیوں کے قلعوں کے ساتھ کیا تو کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ قلعہ پر سنگ باری سے منع کیا گیا ہو کہ اس میں عورتیں اور بچے ہیں یا ان لوگوں کی وجہ سے کہ جن کا قتل جائز نہیں ہے۔ (الرد علی سیرۃ الاوزاعی: ۱/ ۶۷-۶۸)

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کے لیے منجیق نصب کرنا جائز ہے۔ احمد رحمہ اللہ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ جائز ہے اس لیے کہ نبی ﷺ نے اہل طائف کے لیے نصب کیا تھا۔ ثوری۔ اوزاعی۔ شافعی اور

اہل الرائے رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اہل طائف کے لیے منجیق نصب کیا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہے کہ انہوں نے اسکندریہ کے خلاف ایسا کیا تھا اس لیے کہ یہ جنگ میں استعمال ہونے والا ہتھیار ہے جس طرح تیر۔ (المغنی: ۹/۲۳۰)

ابن رشد رحمہ اللہ نے عام علماء کا اتفاق نقل کیا ہے اس بات پر کہ منجیق سے حملہ کرنا جائز ہے کہتے ہیں: علماء وفقہاء کا اتفاق ہے کہ قلعوں کو منجیق کے ذریعے مارنا جائز ہے چاہے ان میں عورتیں اور بچے ہوں یا نہ ہوں اس لیے کہ رسول ﷺ نے اہل طائف کے خلاف منجیق استعمال کیا اگر قلعہ میں مسلمان قیدی اور مسلمان بچے ہوں تو علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ پھر منجیق استعمال نہیں کرنا چاہیے اوزاعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں جائز ہے۔ مگر جومع کرتے ہیں ان کی بات صحیح ہے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (الفتح: ۲۵)۔ اگر یہ الگ ہو جاتے تو ہم کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔ جو لوگ اجازت دیتے ہیں وہ مصلحت کو مد نظر رکھتے ہیں۔ (ہدایۃ المجتہد: ۱/۲۸۲)

صنعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ قلعہ بند کفار کو منجیق سے مارا جاسکتا ہے اس پر توپ وغیرہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ (سبل السلام: ۴/۵۴)

اگر ان کے ساتھ مسلمان بھی ہوں تو پھر ان کا قتل کسی طرح جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ ان کی وجہ سے قتال نہ کرنے سے عام مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو کہ کفار کے قلعوں تک پہنچنا ممکن نہ ہو یا کفار کا مسلمانوں کے ملکوں پر قبضہ کرنے کا خطرہ ہو یا حملہ کرنے کا اندیشہ ہو۔ ان حالات میں کفار پر حملہ جائز ہے اگرچہ اس میں ان کے ساتھ رہنے والے مسلمانوں کا خون بھی ہوتا ہو۔ حملہ کرنے والے کو اس کے فعل کا اجر ملے گا اگرچہ اس کے ہاتھوں مسلمان مارا جائے اور مارا جانے والا مسلمان اپنی نیت کے مطابق اٹھایا جائے گا یہ مسئلہ کسی حد تک ڈھال بنائے جانے والے مسئلے سے

مشابہت رکھتا ہے (کہ مسلمانوں کو یرغمال بنایا جائے اور کفار ان کی آڑ میں خود کو مسلمانوں کے حملے سے بچاتے رہیں اس کے لیے پھر حکومتی زعماء اور وزراء سے مذاکرات ہوتے ہیں اپنی شرائط رکھی جاتی ہیں یا مطالبات پیش کیے جاتے ہیں ایسے میں حکومتیں کوشش کرتی ہیں کہ یرغالیوں کو زندہ بحفاظت بازیاب کرایا جائے اور اپنے عوام کو مطمئن رکھا جائے) اس کا ذکر علماء نے کیا ہے اس میں علماء کے تین مذاہب یا آراء ہیں:

① حملہ کرنا مطلق منع ہے یہ اوزاعی اور امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے جبکہ متاخرین مالکیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ آیت: لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (الفتح: ۲۵)۔ اگر یہ لوگ ان سے علیحدہ ہو جاتے تو ہم کفار کو دردناک عذاب دیتے۔ اس کی تفسیر میں قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مومن کے حفاظت میں یا علاقے میں کافر ہو تو اس کا لحاظ کیا جائے گا جب کفار کو تکلیف دینے میں مومن کو لازمی تکلیف پہنچتی ہو۔ ابو یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابن القاسم رحمہ اللہ سے کہا آپ مجھے بتائیں کہ اگر مشرکین اپنے قلعے میں ہوں اور مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا ہو اور ان مشرکین کے پاس مسلمان قیدی ہوں تو اس قلعے کو آگ لگائی جائے گی یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے مالک رحمہ اللہ سے سنا ہے ان سے سوال ہوا کہ مشرکین کے قافلے میں قیدی (مسلمان) ہوں تو کیا ہم ان پر حملہ کر سکتے ہیں مالک رحمہ اللہ نے کہا میرا خیال ہے کہ نہیں اس لیے کہ اہل مکہ کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (الفتح: ۲۵)۔ اگر یہ (مسلمان) علیحدہ ہو جاتے تو ہم ان کفار کو دردناک عذاب دیتے۔ اسی طرح اگر کفار مسلمانوں کو ڈھال بنالیں تو پھر بھی حملہ جائز نہیں اگر کسی نے حملہ کیا اور مسلمان مارا گیا تو حملہ کرنے والوں سے دیت لی جائے گی اور کفارہ دینا ہوگا اگر معلوم نہیں تھا کہ مسلمان ہیں یا نہیں تو پھر دیت یا کفارہ نہیں ہے۔

ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے ہم نے روم کا محاصرہ کیا ان کا پانی منقطع کیا تو وہ

لوگ قیدیوں سے پانی بھروانے لگے تو ہم ان کو تیر نہیں مار سکتے تھے (کہ کہیں مسلمان نہ مارا جائے) اس طرح وہ پانی لیجانے میں کامیاب ہوتے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و اصحابہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے مشرکوں کے ایسے قلعے پر حملہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے جس میں اگرچہ مسلمان قیدی اور بچے ہوں اگر کوئی مشرک کسی مسلمان بچے کو یرغمال بنالے تو بھی مشرک پر حملہ کیا جائے گا اگرچہ کوئی مسلمان حملے میں مارا گیا تو نہ دیت ہے نہ کفارہ۔ ثوری کہتے ہیں: کفارہ ہے دیت نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں اور یہ ہی واضح بات ہے۔ اس لیے کہ مباح تک حرام ذریعے سے پہنچنا جائز نہیں ہے خاص کر کسی مسلمان کی جان جاتی ہو تو۔ بات صرف وہی ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یرغمال کو قتل کرنا جائز نہیں اس میں ان شاء اللہ اختلاف نہیں ہے اس لیے کہ جب مصلحت ضروریہ کلیہ قطعہ ہو تو ضروریہ کا معنی ہے کہ کفار تک پہنچنے کی صورت صرف یہی ہو کہ یرغمال مارے جائیں کلیہ کا معنی یہ ہے کہ یہ پوری امت کے لیے ضروری و لازمی ہے کہ یرغالیوں کے قتل سے تمام مسلمانوں کی مصلحت وابستہ ہے اگر یرغمالی بنانے والے کفار کو نہ مارا جائے تو وہ پوری امت پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ اور قطعی کا معنی یہ ہے کہ یہ مقصد یرغالیوں کے قتل سے لازمی طور پر حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمارے علماء کہتے ہیں یہ مصلحت ان قیود کے ساتھ جب ہو تو اس کے معتبر ہونے میں اختلاف نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یرغمالی لازمی طور پر مارا جائے گا یا تو دشمن کے ہاتھوں تو ایسی صورت میں زیادہ فساد ہوگا کہ دشمن مسلم ممالک پر غلبہ حاصل کر لے گا یا یرغمالی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے مگر دیگر تمام مسلمان دشمن سے نجات حاصل کر لیں گے۔ لہذا کوئی بھی عقلمند یہ نہیں کہے گا کہ ایسی صورت میں یرغالیوں کو قتل نہ کیا جائے اس لیے کہ اس طرح تو یرغمالی بھی مارے جائیں گے دیگر مسلمان بھی اور اسلام بھی۔ اور اگر یہ مصلحت مفسدہ سے خالی نہ ہو تو اس سے وہ شخص نفرت کرے گا جس نے گہری نظر اس میں نہ کی ہوگی۔ اس لیے کہ اس مفسدہ کی بنسبت تو عدم یا عدم کی طرح ہی صورتحال ہوگی۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶۰/۲۸۶)

میں کہتا ہوں: ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کی رائے بھی ہماری رائے

کی طرح ہے اگر اس سے مراد ہو کہ مشرکین مسلمانوں کو یرغمال بنائیں تو ان پر حملہ کرنا حرام ہے تو اس نے صحیح بات کی مخالفت کی ہے اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مشرکین پر حملہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوں اگرچہ انہوں نے مسلمانوں کو یرغمال بنایا ہو یا نہ بنایا ہو۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یرغالیوں کے قتل سے منع اس صورت میں کیا گیا ہے کہ جب مسلمان مشرکین کے ملک میں جنگ کرنے گئے ہوں ان قلعوں اور شہروں میں جنگ ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں یہ بات بنیاد ہے کہ کفار کے قلعے کا محاصرہ ہو یا ان کے قافلے پر حملہ۔ جب مصلحت ضروریہ قطعہ کلیہ ہو تو پھر غیر مستحق کے قتل میں رکاوٹ نہیں ہے انہیں قصد انہیں بلکہ ضمناً مارا جاتا ہے یہ صورت دفاعی جہاد میں موجود ہے کہ ان کفار سے جنگ ہو جو مسلم ممالک میں گھس آئے ہیں اور ان سے قتال کو ترک کرنے سے ان کا شرم تمام مسلمانوں کو پلیٹ میں لے لیگا حالات اور واقعات ہماری بات کی بہتر انداز میں شہادت دے رہے ہیں۔ جہاں تک آیت سے استدلال کا تعلق ہے تو یہاں اس کی کوئی صورت نہیں یہاں ہم شیخ عبدالقادر بن شیخ عبدالعزیز کی بات نقل کرتے ہیں اس استدلال سے متعلق: اس استدلال کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے:

① حدیبیہ والے دن منع کیا جانا تقدیر کی وجہ سے تھا تمہارا اس سے استدلال جائز نہیں۔ تفصیل یوں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کی نیت سے مکہ جانے کا ارادہ کیا۔ اہل مکہ نے داخل ہونے سے منع کر دیا صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا ارادہ کر لیا جیسا کہ بخاری میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر کا قصد کر کے آئے ہیں آپ کسی کے قتل کا ارادہ نہیں رکھتے تھے نہ جنگ کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف توجہ رکھیں اگر کوئی ہمیں روکے گا تو ہم اس سے لڑیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا نام لیکر چلتے رہو۔ (بخاری)۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس ارادے کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی راستے میں بیٹھ گئی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا قصواء تھک گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھکی نہیں نہ ہی یہ اس کی عادت ہے اس کو اس (اللہ) نے روکا ہے جس نے اصحاب

افیل کو روکا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ مجھ سے جس حصے کا بھی سوال کریں گے جس میں اللہ کی حرمت کی تعظیم ہوگی میں انہیں دوں گا (حدیث: ۲۷۳۱-۲۷۳۲)۔ یعنی مکہ جانے سے اس ذات نے روکا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھی روکا تھا یہ قدرت کی طرف سے منع تھا لہذا نبی ﷺ سمجھ گئے کہ اللہ نے اجازت نہیں دی۔ تو نبی ﷺ نے صلح کرنے کا ارادہ کر لیا پھر آپ ﷺ کو اپنے سفیر عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے پھر جنگ کا ارادہ کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت بھی لے لی جسے بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ بیعت اس بات کی تھی کہ بھاگیں گے نہیں یا موت پر تھی۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ واپس آگئے اور اللہ نے چاہا کہ صلح ہو جائے یہ سب باتیں ہوئیں جن پر آیت و سورة الفتح دلالت کرتی ہیں یہ اس وقت تک نازل نہیں ہوئی تھیں۔ یہ حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی۔ نبی ﷺ نے دو مرتبہ جنگ کا عزم کیا پہلے جب اونٹنی بیٹھ گئی تھی اور دوسری مرتبہ بیعت لیتے وقت۔ دونوں مرتبہ قتال کا ارادہ کرتے وقت نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ مکہ میں کمزور مسلمان موجود ہیں بلکہ بعض کو تو متعین طور پر جانتے تھے ان کے لیے نجات کی دعائیں کیا کرتے تھے (بخاری)۔ مگر ان کمزور مسلمانوں کی موجودگی بھی آپ ﷺ کو قتال کے ارادے سے روک سکی۔ بلکہ قتال تو واجب ہے اس لیے کہ اللہ کے فرمان کو ماننا ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ..... تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے حالانکہ کمزور مرد عورتیں اور بچے..... (النساء: ۷۵)۔ لیکن یہاں آپ ﷺ کو اللہ نے اجازت نہ دی یہ تقدیر کا مسئلہ تھا شرع کا نہیں اگر آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے شرعی طور پر منع کیا یا ہوتا تو آپ ﷺ کبھی بیعت نہ لیتے۔ یہ تقدیر کے لحاظ سے ممانعت اللہ کی کسی حکمت کی وجہ سے تھی جسے اللہ جانتا ہے اس میں سے ایک کمزور مسلمانوں کی مکہ میں موجودگی بھی ہے۔ ایک اس میں سے صلح بھی ہے جس کا بہت بڑا فائدہ ہوا کہ لوگ پر امن ہو گئے تو اسلام میں کئی گنا زیادہ افراد داخل ہو گئے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: لِيُذْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ تا کہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کر دے جسے چاہے (الفتح: ۲۵، فتح

الباری)۔ اس صلح کو اللہ نے فتح قرار دیا ہے۔

② خصوصیت: مکہ میں مسلمانوں کا کفار کے ساتھ رہنے کی وجہ سے قتال کی ممانعت صرف حدیبیہ کے خاص ہے اس سے دیگر مقامات کے لیے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ یہ خصوصیت کا قول صحیح ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے حدیبیہ والے دن ۶ھ میں رسول ﷺ کو مکہ میں جنگ سے منع کر دیا پھر ۸ھ میں شرعی طور پر اجازت دے دی حالانکہ یہ وہی مکہ شہر تھا اور اب بھی اس میں کمزور مسلمان جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ موجود تھے (بخاری)۔ بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہتے ہیں جب اللہ نے رسول ﷺ اور مومنوں کو مکہ کی فتح نصیب فرمادی تو آپ ﷺ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اللہ کی تعریف کی پھر فرمایا اللہ نے اصحاب الفیل کو مکہ سے روکا تھا اور اس پر اپنے رسول ﷺ اور مومنوں کو فتح دیدی ہے یہ مجھ سے پہلے بھی کسی کے لیے (جنگ کے لیے) حلال نہیں تھا میرے بعد بھی دن کے کچھ ساعت کے لیے حلال ہوا میرے بعد بھی کسی کے لیے حلال نہیں (بخاری)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیبیہ والے دن آپ ﷺ کو روکنا بھی خاص تھا اسی شہر کے لیے جو بعد میں آپ ﷺ کے لیے جائز قرار پایا حالانکہ وہی شہر تھا اور کمزور مسلمان اس میں موجود تھے خصوصیت پر دلالت کرنے والی بات یہ بھی ہے کہ ایسے مواقع اور حالات بھی موجود ہیں کہ مسلمان، کافر اور نافرمان کسی جگہ ساتھ ہوں اور ان پر عذاب یا قتل واقع ہوا ہو۔ اس کے علاوہ قدری منع اللہ کی طرف سے نہیں آئی جیسا کہ حدیبیہ میں تھا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی حدیبیہ کا واقعہ کی نص سے تخصیص ثابت ہو رہی ہے۔ اور تقدیر کے طور پر ایسا ہونا ممکن ہے شرعی دلیل اس کی نہیں ہے وہ مقامات کہ جہاں مسلمانوں اور کفار ایک ساتھ رہنے کے باوجود قتال یا عذاب آیا ان میں سے چند کا ذکر کر دیتے ہیں:

❁ ابوداؤد و ترمذی میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول ﷺ نے خثعم کی طرف ایک جنگی دستہ روانہ کیا کچھ لوگوں نے سجدہ کے ذریعے جان بچانی چاہی تو انہیں پہلے قتل کر دیا۔ جب یہ بات نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کی آدمی دیت کا حکم کیا۔ اور فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے

برائت کا اعلان کرتا ہوں جو مشرکین کے درمیان میں رہتا ہے ان کی شناخت نظر نہیں آتی۔ (البانی نے صحیح کہا ہے۔ یہ مرسل ہے)

✽ ارض بیداء والی روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس گھر پر حملہ کرے گا ایک لشکر جب وہ بیداء مقام پر پہنچے گا تو زمین ان کو لے کر دھنس جائے گی۔ کسی نے کہا اللہ کے رسول ان میں کچھ ناپسند کرنے والے بھی ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سب اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائیں جائیں گے۔

✽ بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ الفاظ ہیں کعبہ پر ایک لشکر حملہ کرے گا جب وہ بیداء میں پہنچیں گے تو زمین ان سب کو دھنسا دے گی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ سب کیسے دھنسیں گے اس میں تو بازار بھی ہیں ایسے بھی ہوں گے جو ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سب دھنس جائیں گے پھر (قیامت میں) اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

✽ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: جب اللہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو جو بھی وہاں ہو سب کو پہنچتا ہے پھر وہ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔ (بخاری)

✽ ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں: کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں صالح لوگ بھی ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں جب برے لوگ زیادہ ہوں گے۔ (بخاری)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے مرفوعاً اللہ تعالیٰ جب کسی پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور ان میں صالح لوگ بھی ہوں تو سب ہلاک ہو جاتے ہیں پھر اپنی نیتوں اور اعمال کے حساب سے اٹھائے جائیں گے۔ (ابن حبان)

یہ سب احادیث حدیث بیداء کے معنی میں ہیں میں کہتا ہوں: خاص بات یہ ہے ایسا نہیں ہے اگر مومن کافروں کے ساتھ رہتا ہو تو اس کی کوئی حرمت نہیں اس کا خون رائیگاں ہے بلکہ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے معصوم ہے جہاں بھی رہے اصل بات یہ ہے کہ اس طرح ساتھ رہنا کفار پر حملے میں مانع نہیں ہے

اگرچہ ان کفار کے ساتھ ان مسلمانوں کے مارے جانے کا بھی یقین ہو بشرطیکہ کوئی شرعی مصلحت حملے کا تقاضا کرتی ہو۔ جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں۔ (المغنی شرح کبیر)

یہ بات تمام مسلمانوں کو بتانی چاہیے تاکہ وہ مشرکین کے ساتھ نہ رہیں آیت کے بارے میں قرطبی رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے کے بعد شیخ فرماتے ہیں: یہ ایسا کلام ہے جس سے دل کو مکمل تسلی و تشفی ہو جاتی ہے اس لیے کہ امت میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ضروریات خمسہ کا تحفظ واجب ہے۔ دین۔ نفس۔ عقل۔ نسل اور مال اور اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ دین کا تحفظ نفس پر مقدم ہے اسی لیے دین کے تحفظ کے لیے جہاد شروع کیا گیا ہے حالانکہ اس میں مسلمانوں کی جانیں اور ان کا مال جاتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقٌّ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ. (توبہ: ۱۱۱)

اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور اموال خرید لیے ہیں بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے قتل کریں گے اور قتل ہوں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے توراۃ انجیل اور قرآن میں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ. (البقرہ: ۲۱۶)

تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اگرچہ وہ تمہیں ناپسند ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو،

یہ بات یقینی ہے کہ مسلمانوں پر مرتد حکمرانوں کا مسلط ہونا بہت بڑے فساد کا سبب ہے یہ فساد اس سے بہت بڑا ہے کہ کفار کے ساتھ رہنے والے مسلمان جنگ میں مارے جائیں حالانکہ انہیں قصد انہیں

مارا جاتا۔ بہت سے مسلم ممالک ان (مرتد حکمرانوں کی وجہ سے) عام ارتداد کے راستے پر گامزن ہیں اب اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا؟ یہ اس فتنے سے کئی گنا بڑا ہے جو جہاد میں مارے جانے والے مسلمانوں کا ہے یا ان کی جلاوطنی یا تکالیف کا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: **الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ** اور فتنہ قتل سے بہت بڑا ہے (البقرہ: ۲۱۷)۔

لہذا یہ جو بڑا فتنہ ہے فتنہ کفر و ارتداد اس کو ختم کرنا ضروری ہے اس کے لیے چھوٹا نقصان (جہاد میں قتل وغیرہ) برداشت کیا جاسکتا ہے۔ اس کو اصول فقہ میں دفع ضرر کا قاعدہ کہا جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ضروریات محظورات کو جائز کر دیتی ہیں اور قاعدہ ہے خاص ضرر کو عام ضرر کے دفع کے لیے برداشت کیا جاسکتا ہے۔ قاعدہ ہے سخت ضرر کم ضرر کے ذریعے دفع کیا جاسکتا ہے۔ قاعدہ ہے جب دو مفسد جمع ہو جائیں تو بڑے ضرر کو دیکھا جاتا ہے۔ قاعدہ ہے دو میں سے کم تر شر کو اختیار کیا جاتا ہے۔ (القواعد الفقیہ قاعدہ: ۲۰، ۲۵، ۲۸)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ نے ان جانوں کو قتل کرنا جائز قرار دیا ہے جن کے قتل میں لوگوں کا مفاد ہو جیسا کہ فرمان ہے: اور فتنہ قتل سے بڑا ہے۔ یعنی اگرچہ قتل میں بھی شر و فساد ہے مگر کفار کے فتنے کا شر و فساد اس سے بڑا ہے۔ (مجموع الفتاوی: ۲۸/۳۵۵)

اکثر اسلامی ممالک میں مسلمان جو کچھ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے تو ان کے مال اور جانیں جائز ہیں کہ انہوں نے کفریہ احکام اپنا رکھے ہیں۔ فواحش و فجور عام ہیں اور دین سے جان بوجھ کر لاعلمی اختیار کی گئی ہے دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہے یہ فتنہ تو بہت بڑا ہے جو دین کے لئے نقصان دہ ہے اب مسلمانوں کے لیے کیا باقی رہ گیا ہے؟ (شیخ عبدالقادر کا کلام مکمل ہوا)

② **دوسرا مذہب:** کفار پر مطلقاً حملہ کرنا جائز ہے اگرچہ ان میں مسلمان بھی رہتے ہوں بھلاص رحمہ اللہ نے مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ کا قول تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کفار کے جہاز میں اگر مسلمان قید ہوں تو اسے جلایا نہ جائے اللہ کا فرمان ہے: اگر یہ مسلمان علیحدہ ہو جاتے تو ہم

کفار کو دردناک عذاب دیتے۔ نبی ﷺ نے ان سے اس لیے جنگ پھیر دی کہ ان میں مسلمان تھے اگر علیحدہ ہوتے تو کفار کو سزا دی جاتی۔ اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب کفار مسلمان بچوں کو یرغمال بنالیں تو پھر ان پر حملہ نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ..... اور کفار کا وہ جہاز یا سواری جس میں مسلمان قیدی ہوں اسے جلایا نہ جائے قلعہ پر منجیق سے حملہ کیا جائے گا اگرچہ اس میں مسلمان بھی ہوں اگر کوئی مسلمان زخمی یا قتل ہوا تو یہ قتل خطا ہوگا۔ اگر کفار یرغمالیوں کو سامنے لائے تو کفار کو نشانہ بنا کر حملہ کیا جائے گا۔ لیث بن سعد رحمہ اللہ کا بھی یہ قول ہے۔

اہل السیر نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور انہیں منجیق سے نشانہ بنایا باوجودیکہ آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اور نبی ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ یہ زخمی یا قتل ہوں گے البتہ جان بوجھ کر انہیں قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے درمیان مسلمانوں کا رہنا حملے کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے جبکہ مقصد صرف کفار کو مارنا ہو کسی اور کو نہیں۔ صعب بن جثامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبی ﷺ سے مشرکین کے ان گھروں کے بارے میں پوچھا گیا جن پر شب خون مارا جاتا ہے تو ان میں عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: وہ انہی میں سے ہیں۔ آپ ﷺ فوجی دستوں کو حکم کرتے تھے کہ جن سے جنگ کرنی ہو تو انتظار کرو کہ اگر نماز کے لیے اذان ہو تو (حملہ کرنے سے) رک جاؤ اور اگر اذان کی آواز نہ آئے تو حملہ کرو۔ خلفائے راشدین کا بھی یہی طریقہ تھا یہ بات تو یقینی ہے کہ ان حملوں کی زد میں عورتیں اور بچے بھی آتے تھے اور اگر مسلمان ہوتے تو وہ بھی آتے تھے۔ مگر یہ سب باتیں ان پر حملہ کرنے میں رکاوٹ نہیں تھیں۔ اگر یہ خطرہ ہو کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ جو لوگ آیت ولولا رجال مؤمنون ونساء مؤمنات سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر مومن مرد اور عورتیں ہوں تو حملہ نہ کیا جائے تو یہ آیت اس مسئلے میں دلالت نہیں کر رہی۔ اس لیے کہ اس میں صرف یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ نے محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلوار کے زور پر مکہ میں داخل ہونے کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ اس میں مومن مرد و عورتیں ہیں

اور حملہ کی صورت میں انہیں نقصان پہنچ سکتا تھا۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان پر حملہ نہ کرنا جائز ہے اس میں حملہ کی حرمت کی دلالت نہیں ہے اس بنا پر کہ اس میں مسلمان ہیں۔ اس لیے کہ یہ جائز ہے کہ مسلمانوں کی وجہ سے حملہ سے رک جائیں اور یہ بھی جائز ہے کہ حملہ کر دیا جائے اختیار ہے۔ آیت میں حملے کی حرمت کی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے اشارۃً حرمت ثابت ہوتی ہے اس لیے کہ آیت میں ہے: **لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطْلُوهُمْ فَتَضَيَّبُكُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةً بِغَيْرِ عِلْمٍ (الفتح)**۔ تم ان کو نہیں جانتے اگر تم نے انہیں پامال کیا تو تمہیں ان سے نقصان پہنچتا بغیر علم کے۔ اگر یہ حرام نہ ہوتا تو نقصان کی کیا بات ہوتی؟ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہاں ”مَعْرَةً“ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ کسی نے دیت معنی کیا ہے کسی نے کفارہ کسی نے دکھ اور غم کا معنی لیا ہے کہ اتفاقاً اس کے ہاتھ سے کوئی مسلمان مارا گیا بغیر قصد کے۔ دوسرے لوگوں نے معنی کیا ہے عیب بعض نے گناہ مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ تمہاری لاعلمی کی وجہ سے ہوگا اور لاعلمی سے کیے جانے والے کام پر گناہ نہیں ہوتا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ کفار پر حملہ کرنا جائز ہے جب یہ معلوم ہو کہ ان کے درمیان مسلمان بھی ہیں تو یہ بھی جائز ہوا کہ اگر مسلمانوں کو یرغمال بنالیا جائے تو بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ دونوں صورتوں مقصد صرف مشرکوں کو مارنا ہے اگر کوئی اور مارا گیا تو دیت و کفارہ نہیں ہے مثلاً کفار کے قلعے میں مسلمان ہوں اور اس قلعے پر حملہ کر دیا جائے اور مسلمان مارا جائے تو دیت و کفارہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس طرح کے حملے جائز ہیں لہذا یہ لوگ ان کے حکم میں ہوں گے جن کا قتل جائز ہے۔ (احکام القرآن للخصاص)

شیخ محمد الشربینی الخطیب رحمہ اللہ حکایت المذہب میں اس بارے میں کہتے ہیں: اگر ضرورت کا تقاضا ہو ان (مسلمانوں) پر حملہ کرنے کی کہ انہیں جنگ کے دوران ڈھال و یرغمال بنالیا گیا ہو کہ اگر ہم حملہ سے رک جاتے ہیں تو وہ (کفار) ہم پر غالب آتے ہیں تو ایسی صورت میں صحیح مذہب یہ ہے کہ ان پر حملہ کیا جاسکتا ہے حملہ میں کفار کو نشانہ بنایا جائے اور مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کی جائے جہاں تک ممکن ہو اس لیے کہ قتال نہ کرنا کرنے سے زیادہ مفسدہ کا سبب بنتا ہے۔ ایک گروہ کے قتل سے اسلام کی بنیاد کو

محفوظ رکھنا اور امور کلیہ کا تحفظ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ممانعت اس وقت ہے کہ جب کفار کو مارنا ذمی یا مسلمان کو مارنے کے بغیر نہیں ہو سکتا ہو۔ (مغنی المحتاج: ۴/۲۲۴)

مذکورہ قول ثابت ہوتا ہے کہ علماء کے اقوال کی بنیاد مصلحت پر ہے منع کا قول ہو یا اجازت کا۔ اگر مسلمانوں کی مصلحت یرغالیوں کو مارنے میں ہے تو جائز ورنہ نہیں اگر کفار سے قتال کو ترک کرنا بڑے فساد کا سبب بنتا ہو تو پھر ان کو مارنا ضروری ہے اگرچہ ان کے ساتھ بے گناہ بھی مارے جاتے ہوں۔ اس اقدام کا تعلق دین اور اہل دین کے دفاع اور دشمنان اسلام کو جو کہ مسلمانوں کی حرمتوں کو پامال کرنا چاہتے ہیں ان کے عزائم کو ناکام بنانے پر ہے یہ سب اس وقت ہے جب اہل اسلام کفار کے درمیان تجارت وغیرہ کے لیے رہتے ہوں اگر مسلمانوں کے خلاف معاونت اور مسلمانوں کے خلاف کفار سے مل کر لڑنے والے مسلمان ہوں یا کفار کے لیے جاسوسی کرتے ہوں تو ان کا حکم بھی ان کفار کا ہی ہے۔ بلکہ بعض علماء نے مزید وسعت سے کام لیا ہے اور یرغمال بنائے جانے کی صورت میں حملہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے اگرچہ بے گناہ مارے جانے کا خدشہ ہو ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کفار کے قلعوں پر حملہ کرنے میں حرج نہیں اگرچہ اس میں قیدی یا تاجر ہوں بلکہ اگر کفار مسلمانوں اور بچوں کو یرغمال و ڈھال بنالیں پھر بھی حملہ جائز ہے چاہے اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ حملہ نہ کرنے سے مسلمان شکست کھا جائیں گے البتہ حملہ نہ کرنے سے مسلمان شکست کھا جائیں گے البتہ حملہ نہ کرنے سے مسلمان شکست کھا جائیں گے البتہ حملہ نہ کرنے کا مقصد صرف کفار کو مارنا ہو۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں حملہ جائز نہیں جب مسلمانوں کو یرغمال بنایا گیا ہو سوائے اس صورت میں کہ اگر حملہ نہیں کیا گیا تو مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی۔ یہ حسن بن زیاد کا قول ہے۔ (فتح القدیر: ۵/۴۴۸)

③ تیسرا مذہب: یہ فرق کرتے ہیں ضرورت ہے یا نہیں۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ منجبت سے پتھر یا آگ پھینکنا کیسے جائز ہو سکتا ہے جبکہ قلعہ میں کفار کے ساتھ بچے اور عورتیں ہیں جن کا قتل منع ہے؟ جواب یہ دیا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق پر حملہ کر دیا تھا وہ بھی حملہ آور تھے آپ

ﷺ نے شب خون مارنے اور جلانے کا حکم دیا حالانکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ ان میں بچے اور عورتیں ہیں یہ اس لیے کہ وہ دارالشک تھا اور ممنوع نہیں تھا۔ منع اس بات سے کیا گیا ہے قصد عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے جب مارنے والا متعین طور پر جانتا ہو کہ اس بارے میں رسول ﷺ کی حدیث موجود ہے اور نبی ﷺ نے انہیں قیدی بنایا اور انہیں مال قرار دیا اگر قلعہ یا گھر میں مسلمان قیدی ہوں یا تاجر ہوں وہ امن طلب کرتے ہوں تو ایسا حملہ نہیں کرنا چاہیے جو سب کو پلیٹ میں لے جیسے آگ جلانا یا کشتی و جہاز کو غرق کرنا اس لیے کہ یہ واضح طور پر حرام ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ دارالمباح ہے مگر یہ واضح نہیں کہ اس میں کوئی مسلمان جل جائے گا جس کا قتل حرام ہے۔ یہ احتیاطاً مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اور مباح اس وقت ہے جب اس میں مسلمان نہ ہو اس سے جنگ کیے بغیر آگے بڑھ جائیں اور اگر جنگ کرنی ہو تو عام جلاؤ یا غرق کرنا نہ ہو جب مسلمان محفوظ ہو جائیں تو تب جلاؤ یا غرق یا کرنا ہو سکتا ہے۔ یہ کام انہیں کرنا چاہیے میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا کہ ان کو دوا جریلیں گے ایک اپنے دفاع کا اور ایک دشمن کو سزا دینے کا بغیر جنگ کئے۔ اگر انہوں نے مشرکوں کے بچوں کو یرغمال بنالیا تو توقف نہیں کیا جائے گا اور یرغمال بنانے والوں کو مارا جائے گا بچوں کو نہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ یرغمالیوں سے رک جائیں گے اگر انہوں نے مسلمانوں کو یرغمال بنایا تو میرا خیال ہے کہ یرغمالیوں سے رک جائیں الا یہ کہ وہ یرغمال مسلمان بھی جنگ میں شریک کیے گئے ہوں تو پھر یرغمال بنانے والوں مشرکوں کو مارا جائے گا اور مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کی جائے گی اگر ان حالات میں کوئی یرغمالی مسلمان مارا گیا تو ایک غلام آزاد کرنا ہوگا (الام للشافعی: ۲/۴۷۲)۔ مزید فرماتے ہیں کہ اگر دشمن نے قلعہ میں عورتوں اور بچوں کو رکھا اور دروازے بند کر لیے تو کیا قلعہ پر منہجیق سے حملہ کیا جائے گا؟ فرماتے ہیں اگر مشرکین کے قلعہ میں عورتیں، بچے اور مسلمان قیدی ہوں تو قلعہ پر منہجیق نصب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ رہائشی گھروں پر نہیں۔ اگر مسلمان قلعہ کے قریب ہوں تو قلعہ کے گھروں اور دیواروں کو منہجیق سے مارنے میں حرج نہیں ہے اگر قلعہ میں جنگجو موجود ہوں تو پھر اس کے گھروں اور دیواروں کو مارنا جائز ہے اگر وہ مسلم و غیر مسلم بچوں

اور مسلمانوں کو ریغمال بنالیں تو پھر جنگجوؤں سے لڑنا چاہیے اور مسلمانوں اور بچوں کو (بچانا چاہیے) اور اگر یہ مسلمان بچے محفوظ نہ ہوں تو پھر میری رائے میں جنگ سے رک جانا بہتر ہے جب تک کہ ریغمال بنانے والے خود جنگ شروع نہ کر دیں۔ (الام للشافعی: ۲/۲۶۶)

ہماری بات کی تائید ہوتی ہے کہ اہل کفر کے ساتھ رہنے والے مسلمان کے قتل کو ترک کرنا تب ہوگا جب کفار کے قتل کو ترک کرنے میں مسلمانوں کے لیے آزادی یا وسعت ہو یعنی جنگ نہ کرنے سے کوئی پریشانی نہ ہو یہ حالت بعض ان صورتوں میں ہوتی ہے جب جہاد طلب غیر معین ہو جب مسلمان کفار کو ان کے علاقوں اور قلعوں میں تعاقب کرتے ہیں یہ بات شافعی رحمہ اللہ کے قول میں واضح ہے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم جنگ کیے بغیر آگے بڑھ جائیں اور جب جنگ کریں تو عام جلانا یا غرق کرنا نہ ہو البتہ اگر مسلمان محفوظ ہوں تو پھر ان کفار کو جلانا یا غرق کرنا جائز ہے اگر وہ یہ کام کریں تو ان کے لیے دواجر ہیں ایک تو اس لیے کہ اپنا دفاع کیا اور دوسرا اس لیے کہ دشمن کو نقصان پہنچایا یا بغیر جنگ کیے۔ اگر مسلمان اپنے دین اور عزتوں کی حفاظت کرتے ہوں اور کفار مرتدین نے انہیں ان کے علاقوں میں گھیر لیا ہو اسلحہ کے زور پر ان پر حملہ کرتے ہوں اور ان میں اپنے کفر یا احکام نافذ کرنا چاہتے ہوں جیسا کہ آج کل مسلمانوں کی حالت ہے تو پھر ہر مسلمان پر حسب استطاعت قتال جائز ہے قتال کی بھی جو قسم اختیار کر سکتا ہو اور اس بنا پر قتال کو روکا نہیں جاسکتا کہ ضمناً کچھ مسلمان بھی مارے جاتے ہیں اس لیے کہ قتال واجب اور متعین ہے اس میں جو مسلمان مارا جائے گا وہ اپنی نیت کے مطابق قیامت میں اٹھایا جائے گا امید ہے کہ وہ شہید ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کفار نے اپنے پاس موجود قیدیوں کو ڈھال بنالیا اور مسلمانوں کو اندیشہ ہو کہ اگر ہم جنگ نہیں کریں گے تو وہ ہم پر حملہ کر دیں گے اور قتال کی صورت میں وہ ریغمال مسلمان مارے جاسکتے ہیں اور اگر ان مسلمانوں کے بارے میں اندیشہ نہ ہو تو پھر قتال جو کہ ریغمالیوں کے قتل کا سبب بھی بن سکتا ہے اس میں علماء کے دو مشہور قول ہیں کہ اگر یہ (ریغمالی

(مسلمان مارے گئے تو شہید ہوں گے۔ ان کی وجہ سے فرض جہاد ترک نہیں کیا جائے گا نبی ﷺ سے ثابت ہے فرمایا: اس بیت اللہ پر ایک لشکر حملہ کرے گا جب وہ بیداء میں پہنچیں گے تو زمین میں دھنس جائیں گے کسی نے سوال کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ ان میں تو مجبور بھی ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سب اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔ مسلمانوں سے جنگ کرنے والے اس لشکر پر جو عذاب آئے گا اس کی لپیٹ میں مجبور بھی آئیں گے تو پھر وہ عذاب جو اللہ مسلمانوں کے ہاتھوں دینا چاہتا ہے اس کا کیا فرق ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کہہ دو کہ تم دو میں سے ایک بات کا انتظار کر رہے ہو اور تمہارے لیے انتظار کر رہے ہیں کہ تمہیں اللہ اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں عذاب دے گا۔) (مجموع الفتاویٰ)

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی حکم ہے ان کفار پر دریا کے بند توڑنے کا کہ اس میں فرق کیا جائے گا کہ اگر اس کے بغیر چارہ ہو تو پھر یہ بند توڑنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس میں عورتوں اور بچوں کے مارے جانے کا یقین ہوتا ہے جو کہ حرام ہے۔ اور اگر اس کی قدرت واستطاعت نہ ہو تو پھر جائز ہے جیسا کہ شب خون مارنا اور منجیق نصب کرنا جائز ہے احمد رحمہ اللہ کے کلام سے بھی ضرورت اور عدم ضرورت کا فرق ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے اہل الطائف کے لیے منجیق نصب کیا تھا یہ رائے ثوری۔ اور زاعی۔ اور شافعی اور اہل الرائے رحمہم کی ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے اہل طائف کے لیے منجیق نصب کیا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسکندریہ والوں کے لیے نصب کیا تھا اس سے عام طور پر جنگ لڑی جاتی ہے جیسے تیروں سے لڑی جاتی ہے (المغنی لابن قدامہ)۔ مزید فرماتے ہیں: اگر انہوں نے مسلمانوں کو یرغمال بنالیا اور ضرورت نہ مثلاً جنگ جاری نہ ہو یا ان یرغالیوں کو مارے بغیر ان پر قابو پانے کا امکان ہو یا جنگ بندی کا امکان ہو تو پھر حملہ جائز نہیں ہے۔ اگر حملہ کر دیا اور مسلمان مارا گیا تو جرمانہ ہوگا۔ اور اگر ضرورت ہو کہ مسلمانوں کو ان سے خطرہ ہو تو پھر حملہ کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ ضرورت کے حالات ہیں اور کفار کو مارنا مقصود ہے اگر مسلمانوں کو

خطرہ نہ ہو مگر حملہ کے بغیر ان پر قابو نہ پایا جاسکتا ہو تو اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں حملہ جائز نہیں اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: **لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ.....** لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں کسی ایسے قلعہ کو فتح نہ کرنا جس کو فتح کیا جاسکتا ہو بہتر ہے اس سے کہ کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر دیا جائے۔ اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں جسے دیکھ نہیں سکتے اس پر حملہ کیسے کرتے ہیں؟ یہ مسلمان بچوں پر حملہ کرتے ہیں۔ قاضی اور شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں اگر جنگ جاری ہو تو حملہ کرنا جائز ہے اس لیے کہ حملہ نہ کرنے سے جنگ معطل ہو جائے گی ایسی صورت میں اگر مسلمان مارا گیا تو کفارہ ادا کرنا ہوگا اس کے ورثاء پر دیت کے بارے میں دور وایتیں ہیں۔ (المغنی)

ابن النحاس رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر کفار نے قلعہ میں مسلمان قیدیوں اور ان کے بچوں کو یرغمال بنالیا تو اگر حملہ کرنے کی ضرورت نہ ہو تو مسلمانوں کی حفاظت کے پیش نظر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر ضرورت کا تقاضا ہو کہ حالت جنگ میں یرغمال بنالیا ہو اور اگر ہم جنگ نہیں کرتے تو وہ ہم پر غالب آسکتے ہیں یا ہمیں مزید نقصان پہنچا سکتے ہیں یا ان کے قلعے پر قبضہ ناممکن ہوتا ہے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ حملہ کرنا جائز ہے اور جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو بچایا جائے گا یہ شافعی اور احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے مطلقاً جائز قرار دیا ہے یعنی بلا ضرورت بھی۔ منجھنق، تیر وغیرہ سے بشرطیکہ حتی الامکان مسلمانوں کو بچایا جائے اسی طرح اگر کسی جہاز وغیرہ میں یرغمال بنالیا ہے تو یہی حکم ہے (مشارع الاشواق) اس میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ جہادِ طلب میں ہے جہاں وہ قلعے کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ اسے فتح کیا جا رہا ہو اور حملے کے بغیر ممکن ہو یا اس سواری کے بارے میں ہے جسے آگ کا گولہ مارا جائے (منجھنق کے ذریعے) یا کفار کے شر سے محفوظ ہوں۔ یہ سب چیزیں جہادِ طلب میں ہوتی ہیں جب علماء نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ بے گناہوں کے مارے جانے کے باوجود کفار پر حملہ جائز ہیں جب مقصد کفار کا قتل ہو اور جہاد کی ضرورت ہو اہل اسلام اور مجاہدین کی مصلحت ہو تو پھر اس طرح کا حملہ جہادِ طلب میں مذکورہ صفت کے ساتھ بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ جب مسلمانوں، عورتوں، بچوں یا بے

گناہوں کو کفار نے یرغمال بنا رکھا ہو تو ان پر حملے سے متعلق علماء کے اقوال ذکر کرنے کے بعد تین مذاہب سامنے آتے ہیں:

- ① مطلقاً جائز ہے۔ یہ مالک اور اوزاعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔
- ② مطلق جائز ہے دیت و کفارہ بھی نہیں یہ احناف احمد اور بعض حنابلہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے یہ مشرکین پر حملہ کرنے سے منع نہیں کرتے اگر انہوں نے مسلمانوں کو یرغمال بنایا ہو یا ان کے ساتھ رہے ہوں اگر ضرورت اور مسلمانوں کی مصلحت ہو مسلمانوں اور بے گناہوں کو مارنا مقصود نہ ہو اگر اس حالت میں حملہ نہ کیا جائے تو جہاد معطل ہو سکتا ہے اگر مسلمان مارا جائے تو اس بارے میں اختلاف ہے کہ دیت اور کفارہ ہوگا یا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اور کیا دیت حملہ کرنے والے پر ہوگا یا اس کے ورثاء پر؟ ان تفصیلات سے جو بات سامنے آئی ہے اور جو ہمارے اطمینان کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت حملہ کرنا جائز ہے تاکہ ہمارے دشمنوں اور طواغیت کے خلاف جہاد معطل نہ ہو جہاں مجاہدین جو کمزور سمجھے جاتے تھے اب لشکروں کی صورت میں مسلح ہو کر مکمل تیاری کے ساتھ دلیری سے لڑ رہے ہیں اب کسی محاذ پر ان کا مقابلہ کرنا یا انہیں مغلوب کرنا انتہائی مشکل ہے اور اب ان مسلسل (خودکش) کارروائیوں کے ذریعے ہی مصر۔ الجزائر۔ لبنان۔ فلسطین۔ افغانستان۔ اور شیشان میں دشمنوں کی صفوں کو شدید نقصان پہنچایا جا رہا ہے اور اب تو دشمن تک پہنچنے کا اس کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں بچا ہے اب اگرچہ طواغیت کے سرغنہ وقائدین اور کفر کے علمبردار بلٹ پروف جیکٹوں۔ بکتر بند گاڑیوں اور مضبوط ٹینکوں کا استعمال کر رہے ہیں اور ساتھ ہی امن کی بھی بات کرتے ہیں جس کا امکان نہیں ہے اب ان تک رسائی کا ایک ہی راستہ ہے خودکش حملہ یا اس جیسے دیگر اقدامات اس لیے ان پر حملے جائز ہیں ان طواغیت اور اللہ کے دشمنوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ یہ ہمیشہ لوگوں کی بھیڑوں میں رہیں ان کی سواریاں لوگوں کی گاڑیوں کے درمیان رہیں اس لیے کہ علیحدہ ہونے کی صورت میں اس پر حملہ آسان ہوتا ہے۔ اگر ہم ان پر حملے ترک کر دیں تو جہاد معطل ہو جاتا ہے۔ مجاہدین بھی اس

بات کا خیال رکھیں گے کہ اگر اللہ کے کسی دشمن کو علیحدگی میں مارنا ممکن ہو اور بے گناہوں کو بچایا جاسکتا ہو تو علیحدگی میں ہی انہیں قتل کرنے کی کوشش کریں لوگوں سے دور یہ لازمی کام ہے جسے کرنا چاہیے اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بار بار تنبیہ کرنی چاہیے کہ ان طواغیت سے دور رہا کریں ان کے معاونین و مقربین سے بھی دور رہیں ان کے اجتماعات میں بھی نہ جائیں یہ تنبیہ اس طرح ہو کہ جس سے مجاہدین کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو ان کے لیے نقصان کا سبب نہ بنے۔ یہ بات بھی یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ان طواغیت اور ان کے معاونین کے ساتھ رہنے والے مسلمانوں کی حرمت بھی ان مسلمانوں سے کم ہے جو ان طواغیت سے نفرت کرتے ہیں اور جنہیں کفار پر غمال بناتے ہیں۔ آخری بات جو ہم خودکش حملوں کے بارے میں کہنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ یہ عبادت ہے جو اس میں مارا گیا وہ شہید ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حق کی راہ رکھائے اور اس پر چلنے کی توفیق دے ہمیں ہدایت، تقویٰ، سیدھا راستہ دکھائے اور ہمیں ہر قسم کی لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ وصلى اللہ علی محمد وآلہ وسلم۔

مسلم ورلڈ ویڈیو پروسیڈنگ پاکستان

<http://www.muwahideen.tk>